امام زہری و امام طبری

تصویر کا دوسرا رُخ

محقق العصر جامع العلوم
حضرت علامہ تمنا عمادی
اور
دیگر علمائے کرام

ناشر

الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

امام زہری و امام طبری

حدیث و سیرت کے مدوّن اوّل

تفسیر و تاریخ کے مدوّن اوّل

تصویر کا دوسرا رُخ

از

محدّث العصر، جامع العلوم
حضرت علامہ تمنّا عمادی
اور
دیگر علمائے کرام

ناشر
الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
۳۔ ۷۔ اے بلاک نمبر ۱۔ ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰
فون نمبر ۶۲۱۴۴۹

نام کتاب ——— امام زہری حدیث وسیرت کے مدوّن اوّل
وامام طبری تفسیر وتاریخ کے مدوّن اوّل
تصویر کا دوسرا رخ
مؤلف ——— علامہ تمنّا عمادی مجیبی رح
صفحات ——— ۴۶۴

قیمت کتاب ——— پچاسی روپیہ صرف (-/۸۵)
کتابت ——— کمپیوٹرائزڈ
مطبع ——— روحانی ڈائجسٹ۔ ناظم آباد

ناشر
الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
مکان نمبر ۳۔ ۷۔ اے۔ بلاک نمبر ۱۔ ناظم آباد ——— کراچی ۷۴۶۰۰
فون، ۶۲۱۴۴۹ — ۶۲۷۸۴۰

فہرست عنوانات

حرف اول

ابن شہاب زہری اور ابن جریر طبری اسلامی تاریخ کی دو عظیم شخصیات میں شمار کی جاتی ہیں ۔ ان کا رعب و داب روایت حدیث اور تاریخ و تفسیر میں علی الترتیب مسلمات کا درجہ رکھتا ہے یہی ہم اپنی زندگی کے ابتدائی ایام سے سنتے چلے آرہے تھے متاخرین نے بھی ان کی آراء سے بھر پور استفادہ کیا اور ان کی بھاری بھر کم شخصیات کے سامنے سر تسلیم خم کرتے چلے آرہے ہیں ۔ ہم ان کو اہل سنت کے مشاہیر میں تصور کرتے رہے ہیں لیکن کچھ عرصہ قبل اس سلسلہ میں چند متضاد آراء سے بھی سابقہ پڑا تو پھر تلاش ہوئی کہ ذرا گہرائی میں جاکر ان دو حضرات کے متعلق صحیح پوزیشن معلوم کی جائے ۔ تلاش بسیار کے بعد معلوم ہوا کہ اردو میں کوئی بھی کتاب ان دو حضرات کے کارناموں پر محیط اب تک زیور طبع سے آراستہ ہو کر نہیں آئی ۔ بہر حال جب ان علمائے کرام اور محققین کے مضامین نظر سے گذرے تو معلوم ہوا کہ ان ہر دو پراسرار شخصیات کی پراسراریت میں بڑی گہرائی و گیرائی ہے اور آسانی سے کوئی فیصلہ کرنا دشوار ہے ۔ اسی کاوش کے نتیجے میں یہ کتاب ترتیب کے مراحل سے گزری اور تصویر کا دوسرا رخ دکھانے میں ہم کتنے کامیاب ہوتے ہیں ، یہ قارئین فیصلہ کریں ۔

ابن شہاب زہری کو پہلا جامع حدیث و روایت شمار کیا جاتا ہے وہ بخاری کے بھی راوی ہیں اور بہت سی احادیث ان سے مروی ہیں جو بخاری میں موجود ہیں ان کی مرسلات بہت مشہور ہیں ۔ سرسری ورق گردانی سے تو کسی نتیجہ پر پہونچنا دشوار ہوتا ہے اس لئے جب اس مجموعہ کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ جتنے اختلافی مسائل ہیں ان سب میں زہری ہی نظر آرہے ہیں۔ ایک دور ایسا بھی گذرا ہے جس میں موضوع احادیث کی بھرمار تھی خاص خاص مقاصد کے لئے احادیث وضع کی جاتی تھیں اور ان کو تشہیر کے مراکز پر پہونچا دیا جاتا تھا جہاں سے وہ پورے عالم اسلام میں گردش کرتی تھیں ۔ ان مقاصد میں خود قرآن پر حملے شامل تھے ۔ جمع و تدوین قرآن ، اختلاف قرأت اور ناسخ و منسوخ کی طبع زاد روایتیں انہیں ابن شہاب زہری سے منسوب ہیں پھر ورقہ بن نوفل کی آغاز وحی والی روایت جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ہی مشکوک کرنے کی ایک بھر پور کوشش کی گئی تھی ۔

ان کے ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو داغ دار کرنے کے لئے روایت افک کی افسانہ طرازی، سقیفہ بنی ساعدہ اور میراث نبیؐ کے واقعہ میں رنگ امیزی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت فاطمہؓ کے فرضی اختلاف کی تشہیر۔ حضرت علیؓ کا بیعت ابوبکرؓ میں تخلف وغیرہ وغیرہ چند واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ زہری غالی محب آل علیؓ تھے اور چھپے ہوئے شیعہ تھے ۔ خود شیعوں کی معتبر بنیادی کتابوں میں انہیں شیعہ ہی تسلیم کیا گیا ہے ۔

اسی طرح ابن جریر طبری کی تاریخ و تفسیر پر بھی اہلسنت حضرات کا بڑا اعتماد رہا ہے ۔ حتیٰ کے موجودہ دور کے ایک عالم، مصنف، مفسر اور ایک تحریک کے بانی نے تو یہاں تک فرما دیا تھا کہ اگر ان حضرات کی تاریخی روایات پر اعتبار نہ کیا جائے تو پھر اسلامی تاریخ میں رہ ہی کیا جاتا ہے کیونکہ ۹۰ فیصد تاریخی واقعات تو انہیں کی کتابوں میں ملتے ہیں (حالانکہ قرآنی اصولوں کی روشنی میں اگر ان روایات کو پرکھ لیا جائے تو کوئی الجھن باقی نہیں رہتی ۔ تاریخ کے لئے تو قرآن کریم سے زیادہ معتبر مواد کہاں سے مل سکتا ہے) پھر طبری کو شیعیت کے الزام سے نکالنے کے لئے دو دو تین تین طبری روشناس کرانے گئے جو مغالطہ دینے کی ایک سوچی سمجھی اسکیم تھی ۔

ابن جریر طبری کی تاریخ و تفسیر کے ایک سرسری مطالعہ سے ہی یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ طبری شیعہ تھے انہوں نے ان کتابوں میں واقعات کو شیعی تناظر میں پیش کیا ہے اور اہل سنت کے مطمع نظر کو مسخ کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے جس کے ذریعہ اسلام کی عظیم الشان شخصیات کے دامن داغدار ہوئے ہیں ۔

یہ تھا ایک مختصر سا تعارف اس کتاب کا ۔ آپ اس میں اور بہت کچھ پائینگے جو آپ کو اس نتیجہ پر پہونچنے میں ممد و معاون ہوگا ۔ کہ ان حضرات کا تحریف قرآن کریم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، ازواج مطاہرات کی عفت اور صحابہ کرامؓ کے کردار کو داغدار کرنے میں کتنا حصہ رہا ہے ۔ اور دشمنان اسلام کو اسلام پر حرف زنی کا کتنا موقعہ فراہم کررہا ہے ۔

میں اپنی ان گذارشات کو مفتی محمد طاہر مکی صاحب کے بقول اس تبصرہ پر ختم کرتا ہوں کہ ابن جریر طبری نے تو اپنی تاریخ کے مقدمہ میں ہی یہ کہہ کر اپنی برئیت پیش

بسم اللہ الرحمان الرحیم

تقدیم

مفتی محمد طاہر مکی

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ع

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

علامہ اقبال کا ایک شعر ہے :-

اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے ؟

کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت سے اس قسم کے بعض تجربات عہد جدید کے مسلمانوں کو بھی ہوئے ہیں ، اس کی بعض مثالیں ملاحظہ ہوں :

اس میں کیا شک ہے کہ مذہبی طور پر مسلمانوں کے لئے مایہ افتخار دو چیزیں ہیں ۔ شخصیت کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ کی سیرت طیبہ اور دستور و آئین کے اعتبار سے قرآن محفوظ جس کے نہ آگے سے باطل آ سکتا ہے نہ پیچھے سے ۔ (۴۱ - ۴۲)

ان دو چیزوں کی اسی اہمیت کی بنا پر دشمنان اسلام نے اپنے باقی حربوں میں ناکام ہو کر اور مسلمانوں کی حکومتوں اور ان کے علاقوں کو مفتوح کرنے کے بعد بھی بے اطمینانی محسوس کر کے ، اپنی تمام توجہات کا مرکز اور اپنے تمام حملوں کا ہدف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر انگشت نمائی کرنا اور اسلام کی مقدس الہامی کتاب قرآن محفوظ کو غیر محفوظ ثابت کرنا قرار دیا ۔ اپنے اس کام میں انھوں نے مسلمانوں کے تمام کمزور پہلوؤں کو پیش نظر رکھا ، اور ان کی تاریخی و حدیثی روایات ، ان کے فرقوں کے باہم اختلافات وغیرہ سب کو استعمال کیا ۔

اللہ تعالیٰ نے ان دشمنان اسلام کا جواب دینے کے لئے سیرت رسول اللہ کے محاذ پر علی گڑھ کے سر سید احمد خان کو کھڑا کیا جنھوں نے خطبات احمدیہ کے ذریعے مستشرقین کے سرخیل سر ولیم میور کی لکھی ہوئی سیرت پر زہریلی کتاب کا جواب دیا اور حفاظت قرآن کے محاذ پر مولانا محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلماء کو کھڑا کیا جنھوں نے جمع و تدوین قرآن کے متعلق دشمن کے حملوں کو روکنے کے لئے خود بھی کام کیا (جیسا کہ ان کے مطبوعہ مکاتیب کے پہلے مکتوب سے واضح ہے)، اور خاص طور پر اپنے خلیفہ حضرت مفتی عبداللطیف رحمانی سے " تاریخ القرآن " کے نام سے کتاب مرتب کروائی جس کے متعلق مولانا ابو الکلام آزاد لکھتے ہیں :-

" محترم مصنف کو اسلامی علوم پر ایسا عبور ہے کہ عالم اسلام کے علماء جدید بھی شاید نہ سمجھتے ہوں۔ اس رسالہ میں انھوں نے قرآن عزیز کی تاریخی بحث علمی عدالت عالیہ میں اس انداز سے اٹھائی ہے جس طرح ایک باصلاحیت وکیل مخالف فریق کے ناپاک ارادوں پر وار کرے اور اس کے پر فریب تخیل کے ہر پیچیدہ موڑ پر سخت گرفت کرے اور اپنے مقدمہ کی تکمیل میں کوئی کسر نہ چھوڑے۔

اشتباہ رکھتی روایات کے پس پردہ جو پس منظر ہے مصنف کی اس پر گہری نظر ہے۔ اس بحث کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ مصنف کا دماغ علم و دانش کا مخزن ہے۔ کتاب کے انداز نگارش سے یہ حکمت بھی صاف صاف نمایاں ہے کہ وہ مہینوں لگاتار اس عنوان پر لگاتار اس عنوان پر عمیق مطالعہ کے ساتھ ساتھ غور و فکر کرتے رہے ہیں۔ اس تمام عرصہ میں ان کی زندگی کی کوئی صبح یا شام ایسی نہیں گزری ہوگی جس پر انھوں نے اس مسئلہ کی مثبت اور منفی پہلو پر فہم و تدبر کے ساتھ نہ سوچا ہو ان کے قلم سے کاغذ پر سیاہی نہیں گرتی جو پھیلے اور بڑی جگہ گھیر لے اور ذوق سلیم پر گرانی کا باعث بنے۔ یہاں ان کے قلم کی نوک احتیاط کا دامن تھام کر احتیاط سے صحیح صحیح واقعہ نگاری کرتی ہے۔ کیونکہ مصنف نے عنوانات اہم مقرر کئے ہیں جن سے یہ امر بخوبی روشن ہوگیا ہے کہ وہ روشن دماغ ہی نہیں روشن ضمیر بھی ہیں، لہٰذا

ضرب وہیں لگاتے ہیں جہاں نشیب ہے۔

بہرحال اس رسالہ میں جو حوالجات ہیں وہ سب مستند کتابوں کے ہیں۔ ہر موضوع کے تحت کارآمد گر اختصار کے ساتھ تقریباً سب ہی سمیٹ لئے ہیں اور کوئی بات غیر ضروری نہیں۔ ایک ایک سطر شہادت دے رہی ہے کہ جو کچھ پیش کیا گیا ہے ایماندارانہ طور پر پیش کیا گیا ہے[1]"

مفتی صاحب کی اسی کتاب سے متعلق امام اہلسنت مولانا عبد الشکور لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:-

"عام طور پر یہ خیال لوگوں میں شہرت پاچکا ہے اور بعض روایات کے ظاہری الفاظ سے بھی ایسا وہم ہوتا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قرآن شریف مجموع و مرتب نہ تھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں یہ کام ہوا مگر پھر بھی اس کی اشاعت نہیں ہوئی اور حضرت عمرؓ کو بھی اپنے زمانۂ خلافت میں اس کی اشاعت کا موقع نہ ملا، حضرت عثمانؓ نے ۲۵ھ میں رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پندرہ برس بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے جمع کئے ہوئے قرآن کی نقلیں کرا کر تمام ممالک اسلامیہ میں شائع کیں، پہلے اس حقیر راقم سطور کا خیال بھی تقلیدی طور پر ایسا ہی تھا، چنانچہ النجم کے مناظرۂ حصۂ اول میں، میں نے ایسا ہی لکھا ہے، مگر اس کے بعد نورِ توفیق نے مدد کی، اور تحقیق کا دروازہ کھلا، بے شمار دلائل عقلیہ فطریہ اور براہین نقلیہ نے میرے خیال سابق کو محو کر دیا اور روزِ روشن کی طرح یہ بات ظاہر ہو گئی کہ خود رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے اہتمام سے قرآن شریف کی جمع و ترتیب کا کام نہایت کامل طریقہ سے ہو چکا تھا اور اس کی اشاعت بھی خود آپ ہی کے سامنے ہو چکی تھی جس وقت آپ نے رفیق اعلیٰ کی طرف رحلت کی تو بے شمار سینوں اور سفینوں میں پورا قرآن شریف محفوظ کر گئے

---

[1] ندوۃ العلماء لکھنؤ میں واقع لائبریری میں کتاب کا نمبر ہے۔ ایکسیشن نمبر ۹۵ کال نمبر ۲۹۲ – ۱۲۰۹ ملاحظہ کریں صفحہ ۱۱ سے ۱۲ تک۔

تھے۔ تواتر قرآن کا سلسلہ جو آپ کے سامنے شروع ہوا، وہی سلسلہ اسی شان کے ساتھ اب تک چلا آرہا ہے اور انشاء اللہ قیامت تک رہے گا، پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ محققین سابقین سے بھی اس کی تصریح منقول ہے اور کوئی صحیح روایت بھی اس تحقیق کی مزاحمت نہیں کرتی۔

اس تحقیق کے بیان کرنے کے لئے ایک مستقل تصنیف کی حاجت ہے جسکو ایک حد تک میرے ایک فاضل دوست نے اپنی کتاب تاریخ القرآن میں پورا کیا ہے۔ (مؤلفہ مولانا مفتی عبداللطیف رحمانی) اور یہ کتاب کئی سال ہوئے چھپ گئی ہے مَنْ شَاءَ فَلْيُطَالِعْهُ اگر عنایت ایزدی نے مدد کی تو یہ ناچیز بھی عنقریب اس موضوع پر کتاب لکھے گا، واللهُ وَلِيُّ التَّوْفِيق۔ (شیعہ اور قرآن المعروف تنبیہ الحائرین مؤلفہ امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی شائع کردہ المکتبۃ الاشرفیۃ جامعہ اشرفیہ لاہور)

> سیرت النبی اور قرآن کریم کے ان دونوں محاذوں پر کام کرنے میں سب سے اہم دشواری یہ تھی کہ دشمن نے مسلمانوں ہی کی بعض تاریخی و مذہبی روایات کو استعمال کر کے حملہ کرنے کی جسارت کی تھی، اسلئے جواب دینے والوں کو یہ نازک اور خطرناک کام بھی کرنا پڑا کہ اپنے ہاں کے ان کمزور مقامات پر غور کریں اور بصورت مجبوری اس گلے سڑے حصہ کو کاٹ کر پھینکدیں۔

یہ تھی وہ صورت حال جس کے پیش نظر جمع و تدوین قرآن کے اہم ترین راوی امام زہری پر حضرت مفتی صاحب کو قلم اٹھانا پڑا۔ ان کے بعد اس محاذ کے پر جوش اور ان تھک سپاہی علامہ تمنا عمادی مرحوم ہوئے جنھوں نے مفتی صاحب کے کام کو تکمیل تک پہونچانے کی حتی الوسع کوشش کی۔ اور اس راہ میں ہر قسم کی رکاوٹوں کا مقابلہ کرتے ہوئے جمع القرآن اور اعجاز القرآن پر اپنی تحقیقات مرتب کرنے کے ساتھ ساتھ اس عنوان کے اہم ترین راوی امام زہری پر بھی کام کرتے رہے۔ موجودہ کتاب ان کی انھیں کاوشوں کو منظر عام پر لانے کے لیئے ہے۔ ان کے علاوہ اور جن جن حضرات نے اس

سلسلہ میں کام کیا ہے اسے بھی ہم نے اس کتاب میں یکجا کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ قارئین کرام کا افق زیادہ سے زیادہ وسیع ہو، اور کسی فیصلہ تک پہونچنے میں انھیں بہتر سے بہتر سہولت حاصل ہو سکے۔ مزید تفصیلات کے لئے حضرت مفتی صاحب کی کتاب "تاریخ القرآن" اور علامہ تمنا کی کتاب "جمع القرآن" اور "اعجاز القرآن" ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ مفتی صاحب کی کتاب کا دوسرا ایڈیشن دہلی کی خانقاہ شاہ ابوالخیر کے سجادہ نشین حضرت زید ابو الحسن شاہ ازہری نے شائع کیا ہے جس کا عکسی ایڈیشن پاکستان میں پروگریسو بکس ۴۰۔ بی اردو بازار لاہور نے شائع کر دیا ہے۔ علامہ تمنا کی کتابوں کے لئے ایڈیشن الرحمان پبلشنگ ٹرسٹ کراچی نے شائع کر دئے ہیں۔

-----(۲)-----

حضرت مفتی عبداللطیف رحمانی اور علامہ تمنا عمادی مرحوم جمع قرآن کی روایات کے حوالے سے امام زہری کے متعلق جن نتائج تک پہونچے تھے، کچھ دوسرے محققین امام زہری کے متعلق انہیں نتائج تک ایک دوسرے ذریعے سے پہونچے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مولانا احمد شاہ بخاری (فاضل دیو بند) نے اپنے اردگرد کے شیعہ ماحول کی وجہ سے شیعہ جارحیت کے جواب میں "تحقیق فدک" کے نام سے کتاب مرتب کی جس کے لئے خدا جانے انھیں کتنے کتب خانوں کی خاک چھاننی پڑی ہوگی۔ اسی سلسلہ میں وہ حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی کے قابل قدر کتبخانے میں بھی گئے جہاں انھیں شیعہ حدیث ورجال کی کئی کتابیں مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا۔ جس میں ان پر انکشاف ہوا کہ امام زہری تو تقیہ باز شیعہ تھے، سنیوں میں سنی اور شیعوں میں شیعہ۔ وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ انھوں نے سیالوی صاحب کو بھی اپنی تحقیقات دکھائیں وہ بھی حیران رہ گئے۔ بالآخر ان دونوں حضرات نے امام زہری کے متعلق یہ حقیقت اپنی اپنی کتاب میں درج کر کے آنے والوں کے لئے محفوظ کر دی۔

مولانا قمرالدین سیالوی:۔ خواجہ قمرالدین سیالوی صاحب اپنی کتاب "مذہب شیعہ" میں لکھتے ہیں: (۱)

(۱) خواجہ صاحب پنجاب کی ایک اہم خانقاہ کے سجادہ نشین، مولانا معین الدین اجمیری کے شاگرد، اور مولانا احمد شاہ نورانی سے پہلے جمعیۃ علماء پاکستان کے صدر تھے۔۔ خواجہ صاحب کی اس کتاب کا پہلا ایڈیشن خود انھیں کی زیر نگرانی شائع ہوا تھا۔ ہمارے پیش نظر جو ایڈیشن ہے وہ دارالکتاب ۲۴ سک نالہ گنج شیر روڈ۔ مزنگ لاہور نے شائع کیا ہے۔ مندرجہ بالا عبارت اسکے صفحات ۹۳ سے ۹۵ تک

اہل سنت والجماعت پر اعتراض کرنے سے پہلے اہل سنت والجماعت کے مذہب کے متعلق واقفیت ضروری ہے۔ ذاکرین اہل تشیع جب اپنے اصول مذہب سے ناواقف ہیں تو اہل سنت والجماعت کے اصول کیونکر سمجھ سکتے ہیں۔ میاں !! اہل سنت والجماعت کے مذہب کا اصل الاصول یہ ہے کہ حدیث کی صحت یا ضعف، راوی کی صحت یا ضعف پر موقوف ہے اگر حدیث کا راوی صحیح العقیدہ، سچا صحیح حافظہ والا ہے تو اس کی روایت کو صحیح مانا جائیگا۔ ورنہ وہ روایت ضعیف کہلاتی گی۔ اب فدک والی روایت میں ایک شخص محمد بن مسلم ہے جس کو ابن شہاب زہری بھی کہتے ہیں صرف یہی راوی یہ روایت کرتا ہے۔ اس کیساتھ دوسرا کوئی شاہد نہیں اور یہ ابن شہاب زہری اہل تشیع کے اصول کافی میں بیسیوں جگہ پر روایتیں کرتا نظر آتا ہے۔ اور اہل تشیع کی فروع کافی نے تو اسکی روایتوں کے بل بوتے پر کتاب کی شکل اختیار کی ہے تو بھائیو! اہل تشیع کے اس قدر مشہور اور معروف کثیر الروایت آدمی کی روایت سے اہل سنت پر الزام قائم کرنا اور ائمہ صادقین کو جھٹلانا عجیب نظر و فکر ہے۔ اگر اہل تشیع کے راویوں کی روایات اہل سنت کے لیئے قابل توجہ ہوتیں۔ تو پھر بخاری ہو یا کافی کلینی اس میں کیا فرق تھا۔ آپ کی مزید تسلی کے لیئے اسی محمد بن مسلم بن شہاب زہری صاحب کو کتاب منتہی المقال یا رجال بوعلی میں شیعوں کی صف میں بے نقاب بیٹھا ہوا دکھاتے ہیں۔ دیکھو کتاب رجال بوعلی جہاں صاف لکھا ہوا ہے کہ محمد بن مسلم بن شہاب زہری شیعہ ہے تو فدک کا جھگڑا اب ختم کرو۔ ہم تو ابن شہاب زہری کو اچھا سمجھتے۔ اگر گھر کے بھیدی یہ بھید نہ کھولتے۔ اس کے باوجود بھی اس کی روایت پر غور کرتے۔ اگر کوئی ایک دوسرا بھی اس کے ساتھ مل کر شہادت دیتا۔ اہل سنت والجماعت غریب اس قدر مظلوم ہیں کہ ان کے مذہب کے خلاف اگر کوئی شیعہ اور وہ بھی اکیلا روایت کرے تو اس کو اہل سنت پر بطور الزام پیش کیا جاتا ہے۔ اور اہل تشیع اس قدر با اختیار ہیں کہ ان کی اپنی کتابوں میں ائمہ معصومین کی سند سے کوئی حدیث بیان کی جائے تو ان کو یہ کہنے میں کچھ تامل نہیں ہوتا کہ یہ امام اکیلے روایت کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ کوئی دوسرا شاہد نہیں لھذا یہ خبر احاد ہے۔ اور قابل اعتبار نہیں (دیکھو تلخیص الشافی جلد ۲ صفحہ ۱۲۴ مطبوعہ نجف اشرف یہ عبارت گزر چکی ہے) ـــ

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام   اور وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

اب رہا یہ سوال کہ اہل سنت کی کتاب میں شیعہ صاحب نے روایت کو کیسے لکھ دیا تو

اس کے جواب میں ہمارا صرف یہ کہنا کہ ہمیں پتہ نہیں چلنے دیا۔ کافی ہو سکتا ہے۔ میاں! جب پہلے زمانہ میں نہ چھاپہ خانے تھے۔ نہ کاپی رائٹ محفوظ کرائی جاتی تھیں۔ قلمی کتابیں تھیں۔ ہر شخص نقل کر سکتا تھا۔ علی الخصوص وہ لوگ جن کا مذہب و دین ہی تقیہ و کتمان ہو۔ نہایت آسانی کے ساتھ تشریف لا سکتے تھے اور علمائے اسلام کے نہایت محتسب بن کر ان کی کتابوں میں حسب ضرورت کارستانیاں کر سکتے تھے اس پر بھی ثبوت کی ضرورت ہو تو قاضی نور اللہ شوشتری کی مشہور ترین کتاب مجالس المومنین میں مطالعہ فرمالیں۔ کہ ہم لوگ شروع شروع میں سنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبل بن کر اہل سنت کے استاذ اور ان کے شاگرد بنے رہے۔ ان سے روایتیں لیتے تھے۔ ان کو حدیثیں سناتے تھے اور تقیہ کی آڑ میں اپنا کام کرتے رہے۔ کتاب ایران کی چھپی ہوئی ہے۔ فارسی زبان میں ہے ہر شخص مطالعہ کر سکتا ہے۔ تو یہ کیا مشکل تھا۔ کہ اسی آڑ میں کسی غریب سنی کی کتاب میں یہ کارفرمائی بھی کرلی ہو۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے حوالہ سے کہنا کہ انہوں نے مجالس شریف کی تمام روایات کو برحق اور صحیح ہی تسلیم فرمایا ہے۔ غلط اور جھوٹ ہے۔ شاہ صاحب مرحوم فقط مرفوع حدیث کے متعلق صحت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور باغ فدک کی تقسیم نہ کرنے کی روایت مرفوع نہیں۔ (مرفوع حدیث صرف وہی ہوتی ہے جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو یا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل ہو یا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانۂ اقدس میں کوئی عمل ملاحظہ فرمانے کے بعد اس کو جائز اور برقرار رکھا ہو۔ دیکھو فن حدیث شریف کے متعلق علمائے حدیث کی تصریحات) اور فدک کے متعلق روایات بعد کے واقعات پر مشتمل ہو سکتی ہیں۔ اگر ہم اہل تشیع کے اس راوی کو سچا بھی مان لیں اور غیر مذہب ہونے کے باوجود اس کی روایت کو اپنی کتاب میں لکھ بھی لیں۔ اور یہ بھی تسلیم کریں کہ خود ہم نے اسکی روایت کو اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ تو پھر بھی ہمارے اصول کے مطابق بلکہ اہل تشیع کے اصول کے مطابق بھی یہ روایت قابل حجت نہیں۔ کیونکہ صرف ایک راوی ہے لہٰذا خبر احاد ہے۔

اور خبر احاد حجت نہیں ہوتی۔ اہل السنت کے اصول کو نظر انداز کر کے خود اہل تشیع کے امام الطائفہ ابو جعفر طوسی کی کتاب تلخیص الشافی جلد ۱ صفحہ ۲۴۲ کا مطالعہ کریں جہاں صاف لکھا ہے کہ خبر احاد ناقابل حجت ہوتی ہے"

مولانا احمد شاہ بخاری:۔ مولانا احمد شاہ بخاری اپنی کتاب "تحقیق فدک" میں لکھتے ہیں: (۲)

ابن شہاب زہری شیعہ میں سے ہے اس لئے اس کی یہ زیادتی ہم پر حجت نہیں ہو سکتی۔ کتب شیعہ میں سے ابن شہاب زہری کا تشیع ثابت کیا جاتا ہے۔ سنئیے شیخ عباس قمی اپنی کتاب تتمۃ المنتہی کے صفحہ ۱۲۱ پر لکھتے ہیں واختلف کلمات علمائنا فی مدحہ وقدحہ وقد فصل صاحب الروضات فقال انہ کان فی بدء امرہ من جملۃ علماء اھل السنۃ وندمائے حزب الشیطان ثم ان علمہ وادراکہ ادرکاہ وارشداہ الی الحق المبین فصیراہ فی اواخر عمرہ من الراجعین الی الامام زین العابدین علیہ السلام وفی زمرۃ المستفیدین من برکات انفاسہ الشریفۃ ثم ذکر شواھد قولہ و لیس مقام ذکرہ فراجع ثمہ۔ ترجمہ: ابن شہاب زہری کی مدح و قدح میں ہمارے علمائے شیعہ کے اقوال مختلف ہیں صاحب روضات نے تفصیل کرتے ہوئے اپنی کتاب روضات میں لکھا ہے

---

(۲) مولانا احمد شاہ بخاری کی یہ کتاب سن ۱۹۵۵ء میں مدرسہ عربیہ دار الہدیٰ چوکیرہ ضلع سرگودھا کی طرف سے شائع ہوئی تھی۔ اسکے صفحہ ۲۲۹ پر کتاب کی تائید میں مندرجہ ذیل حضرات کی تقریظیں موجود ہیں۔ مفتی محمد شفیع صاحب مہتمم سراج العلوم سرگودھا۔ اشاعت التوحید والسنہ کے مولانا عنایت اللہ شاہ گجراتی۔ قاضی شمس الدین صاحب گوجرانوالہ، انجمن خدام الدین کے امیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری۔ جامعہ اشرفیہ کے مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ اور مولانا شمس الحق افغانی۔

کہ وہ ابتداء میں تو سنی علماء میں سے تھا اور شیطانی پارٹی کے ہمنشینوں میں سے۔ پھر یوں ہوا کہ اس کے علم اور فہم نے اُسے کھلے ہوئے حق کی طرف راہ نمائی کی اور زندگی کے آخری حصوں میں اسے ان لوگوں میں سے بنا دیا جو کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ اور آپ کی خدمت شریف سے فیض حاصل کرنیوالے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے اس قول کے گواہ ذکر کئے ہیں۔ جن کے ذکر کرنے کا یہ مقام نہیں ہے۔ بس وہاں دیکھ لیا جائے۔ ترجمہ ختم

ناظرین کرام! شیخ عباس قمی کے اس طریقے سے واضح ہو رہا ہے کہ آپ ابن شہاب زہری کو شیعہ جانتے ہیں اور اس قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی واسطے روضات الجنات کے مصنف کی تحقیق کو اپنی کتاب میں خوشی کے ساتھ درج کیا ہے۔ اس پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا۔ نیز ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی نے اپنی کتاب کافی میں ابن شہاب زہری سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ راقم الحروف کے ناقص مطالعہ کا جہاں تک تعلق ہے۔ تو مواضع کے حوالے دیئے جا سکتے ہیں۔ اصول کافی ص۱۸۱ باب ذم الدنیا والزہد فیہا و ص۱۹۰ باب الاستغناء عن الناس و ص۲۲۳ باب العصبیۃ و ص۲۱۱ باب حب الدنیا و ص۲۱۶ باب الطمع و ص۲۲۹ باب الکذب و ص۲۳۰ باب ذی اللسانین و ص۶۰۵ باب فضل القرآن اور فروع کافی جلد دوم ص۳۴ کتاب النکاح باب التوادد اور فروع کافی جلد سوم ص۱۴۳ باب فی القاتل یرید التوبۃ۔

ناظرین کرام! ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ ابن شہاب زہری کافی کے رجال میں سے ہیں اور کہ آپ شیعہ ہیں۔ کیونکہ مولوی کلینی

کاآپ سے اس کثرت سے روایت کرنا آپ کے تشیع کے لئے کافی ہے۔ کافی کے رجال کی تحقیق کے لئے ایک رسالہ نامی عین الغزال فی اسماء الرجال کتاب کافی کے ساتھ طبع کیا گیا ہے جسمیں ابن شہاب زہری کے نام کے ساتھ شیعی لکھا ہوا ہے پس دو گواہ زہری کے شیعہ ہونے پر ہم نے پیش کئے ہیں۔ ایک شیخ عباس قمی اور دوسرے محمد بن یعقوب کلینی۔ اور اگر ذرا غور سے کام لیا جاوے تو چار گواہ ہو چکے ہیں۔ تو مذکورالصدر اور تیسرا مصنف کتاب روضات الجنات اور چوتھا صاحب عین الغزال فی اسماء الرجال

اب اگر کوئی شیعہ اعتراض کرے کہ اہل سنت کے علمائے رجال نے ابن شہاب زہری کو سنی لکھا ہے۔ کسی نے شیعہ نہیں لکھا۔ اس واسطے اس کی روایت اہل سنت پر حجت قائم کردے گی۔ تو جواب یہ ہے کہ تقیہ جن کی زندگی کا جزو لاینفک ہو اور تقیہ ہی اصل الاصول ہو اور تقیہ ہی اوڑھنا بچھونا ہو۔ ایسے لوگوں کے اصل مذہب کا پتہ لگانا اتنا مشکل ہے۔ جتنا کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہو جانا مشکل ہے۔ چنانچہ قاضی نوراللہ شوستری صاحب اپنی کتاب مجالس المومنین کے اول میں اقرار کرتے ہیں کہ سلاطین صفویہ کی حکومت سے پہلے ہمارے علما تقیہ میں زندگی گذارتے تھے اور اپنے آپ کو حنفی یا شافعی ظاہر کرتے تھے۔ بتائیے جن لوگوں کا یہ حال ہو ان کے اصلی نظریات اور باطنی اعتقادات کا پتہ چلے تو کس طرح چلے۔

محدثین کی چھان بین ہزار شکر کی مستحق ہے۔ ان کی محنت اور کاوش عنداللہ مقبول ہے لیکن تقیہ باز کے مذہب کا معلوم کرنا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ محدثین کرام نے ظاہر کو خوب دیکھا، بھلا باطن کو وہ کس طرح دیکھ سکتے تھے سہ

چو در بستہ باشد چہ داند کسے
کہ جوہر فروش است یا پیلہ ور

پس محدثین کرام معذور ہیں۔ اس میں اُن کا کوئی قصور نہیں البتہ تقیہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اصول حدیث میں وضاحت کردی ہے کہ جس فرقے سے کسی بدعتی کی بدعت کو امداد پہنچتی ہو وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ (۱) تحقیق فدک ص ۱۱۲ تا ۱۱۵

مولانا دوست محمد قریشی:- ایک موقعہ پر شیعوں کے فتنہ پرداز اور بے لگام مناظر و مبلغ مولانا اسماعیل دیوبندی کے مقابلہ کے لئے خواجہ سیالوی صاحب کے ارشاد کے مطابق، انہیں کی سرپرستی میں، سنی شیعہ مناظرہ طے پایا جس میں اہل سنت کی طرف سے مولانا دوست محمد قریشی صدر تنظیم اہلسنت کو مناظر مقرر کیا گیا۔ اس مناظرہ کی تفصیلات "مناظرہ جھوک دایہ" کے نام سے مکتبہ اہلسنت کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ نے شائع کر دی ہیں۔ اس کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:-

(۱) دیوبندیت کی دم لگانا بھی فتنہ پردازی کا ایک انداز تھا، ورنہ اسماعیل صاحب کے پاس دارالعلوم دیوبند کی کسی قسم کی سند نہیں تھی۔

سنو اس کی روایت میں ایک راوی محمد بن مسلم بن شہاب زہری ہے جو شیعوں کا بھی راوی ہے اور سنیوں کا بھی ہے۔ اصول کافی ص۳۶۱، ص۳۶۹، ص۴۲۷ میں یہی راوی محمد بن مسلم بن شہاب زہری موجود ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ شیعوں میں جا کر شیعہ بن جاتا تھا۔ اور سنیوں میں جا کر سُنی بن جاتا ہے پس جب روایت مقبول نہ رہی تو استدلال ہی نہ رہا۔ مولوی صاحب کوئی صحیح دلیل پیش کرو شیعوں کی روایت پیش کر کے لوگوں کو دھوکا دیتے ہو۔

تائید مزید) مجالس المومنین ص۳ میں ہے۔ چوں علماء شیعہ بعلت تمادی اہل شنعان در زاویہ تقیہ متواری شدہ خود را حنفی شافعی نمودہ اند۔

یعنی شیعوں کے عالموں کی یہی عادت رہی ہے کہ تقیہ کر کے وہ حنفیوں میں حنفی۔ شافعیوں میں شافعی مالکیوں میں مالکی بن کر گزارا کر رہے ہیں۔

امام بخاری کو تقیے کی وجہ سے پتہ نہ چلا۔ انہوں نے اس سے روایت کو قبول کر لیا۔

منتہی المقال ص۲۲۸ یہ شیعوں کی کتاب ہے اس میں لکھا ہوا ہے کہ زہری شیعہ ہے یعنی یہ میری دوسری تائید ہو گئی۔

اگر دیانت ذرا بھی آپ کی طبع میں ہے تو انشاء اللہ آج کے بعد اس کو میدان مناظرہ میں پیش کرنے کی جرأت نہیں کریں گے کہتے ہیں کہ ابو بکرؓ نے فدک نہ دیا۔ اسے مولانا پہلے محمد مصطفےٰ ﷺ نے نہ دیا۔ اور آخر میں علی المرتضےٰؓ نے نہ دیا۔ درمیان میں ابی بکر صدیقؓ نے نہ دیا۔ اب آپ کو دو کا جواب پہلے دینا پڑے گا۔ اور ایک کا جواب بعد میں لینا پڑے گا۔

کہتے ہیں سیدہ ناراض ہوگئی۔ ارے مفتی صاحب اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْہِ موسیٰ علیہ السلام ہارون علیہ السلام پر ناراض ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام پر فتویٰ لگائیے۔

شیعی مناظر حضرات میں نے وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ والی آیت پڑھی لیکن قریشی صاحبؒ نے اس کا جواب نہیں دیا۔ قریشیؒ صاحب نے زہری پر اعتراض کیا۔ اگر سُنّی نہ ہو پیر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا۔

حجۃ اللہ البالغہ میں ہے جو بخاری و مسلم کی توہین کرے وہ بدعتی ہے۔ قریشی صاحبؒ کہتے ہیں کہ شیعہ راوی بخاری مسلم میں داخل ہو گیا تو گویا پہلے سنیوں کے گھر داخل ہوا تھا۔

اب باتیں دو ہیں۔ یا تو شاہ ولی اللہ صاحب کا فتویٰ مانو اور یا انکار کرو اور سنو مسلم شریف ص۹۱ فَوَجَدَتْ فَاطِمَۃُ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ اب بخاری و مسلم تو صفحے ہو گئے۔ تو باقی کیا رہا۔ سیرۃ حلبیہ ج۲ ص۴۸۴ میں بھی یہی مضمون موجود ہے۔

مناظر اہلسنت حضرات آپ دیکھ رہے ہیں۔ کہ میں پہلے مولوی اسمٰعیل کے سب اعتراضات کا جواب دیتا ہوں اس کے بعد اپنے اعتراضات کرتا ہوں یا دلائل پیش کرتا ہوں۔ لیکن مولوی اسمٰعیل میرے دلائل کو ہاتھ ہی نہیں لگاتا۔ میں نے زہری کو دونوں کا راوی اور مشتبہ الحال ثابت کیا۔ لیکن میرے فاضل مخاطب نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اب پہلے ان کے مطاعن کے جوابات سنیئے۔

حجۃ اللہ البالغہ کی عبارت پڑھ کر مومن بخاری کو بدعتی بتلاتا ہے۔ مولانا میں توہین نہیں کر رہا۔ میں تو تحقیق و تنقید کر رہا ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ تحقیق و تنقید کا حق سب کو حاصل ہے۔ شاہ صاحب کے زمانہ کی اپنی تحقیق میری اپنی تحقیق هُمْ رِجَالٌ وَّ نَحْنُ رِجَالٌ۔ " مناظرہ جھوک دایہ ص ۵۲ تا ۵۵

اسی مناظرہ کے ص ۵۸ ۔ ۵۹ پر لکھتے ہیں:

"**علامہ قریشی کی تقریر:** ۔حضرات میں تو سب دلائل کا جواب دے چکا ہوں مگر جو نہ مانے اس کا علاج کیا۔ حضرت عائشہؓ کے متعلق تو حضورؐ کا بیان ہے وَاللّٰہِ مَا اَدْرِیْ فِیْ اَھْلِیْ اِلَّا خَیْراً کی قسم میں اپنے گھر کے متعلق تو بہتر حالت جانتا ہوں۔ لاؤ مسلم میں دکھاؤں آپ کی وہ حدیث جس میں آپ غَادِراً خَائِناً پڑھ رہے ہیں۔ قریشی صاحبؒ نے کہا لوگو! اس روایت میں بھی وہی راوی محمد بن مسلم بن شہاب زہری موجود ہے جس کی تحقیق میں پہلے کر چکا ہوں۔ بس لوگوں نے واہ واہ کے نعرے لگائے قریشی صاحبؒ نے کہاں شیعی روایتوں کے بغیر اور روایتیں ملتی ہی نہیں۔

اصول کافی میں میں نے ۷ مقامات پر اس کی روایت دکھائی ہے۔ معلوم ہوا کہ شیعہ راوی۔ مولوی اسمٰعیل نے مطالبہ کیا اس کا شیعہ ہونا ہماری کتابوں سے دکھاؤ۔ قریشی صاحب نے جھٹ منتہی المقام اٹھائی اور اس کا ص ۲۴۸ کھول کر پڑھا ھٰذا تدل علی تشیعہ یہ ہے عبارت جس میں زہری کا شیعہ ہونا لکھا ہے۔ اسمٰعیل نے کہا کتاب دکھاؤ جب کتاب دیکھی تو شور زیادہ کیا کہ یہ تشیع کا لفظ ہے شیعہ کا نہیں ہے قریشی صاحبؒ نے فرمایا یہ ہے مناظر کا شرائط نامہ اس میں آپ کے مناظر کو اہل تشیع لکھا گیا ہے۔ اگر یہاں اہل تشیع سے مراد شیعہ ہے تو وہاں بھی شیعہ"

موقعہ کی مناسبت سے اس جگہ، شہید حق مولانا حق نواز مرحوم کے ساتھ ایک یادگار نشست کا تذکرہ کرنے کو جی چاہتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے :۔

مولانا مرحوم پر مصائب کے پہاڑ تو ٹوٹتے ہی رہتے تھے، ایسے ہی ایک خطرناک موقعہ پر مولانا کے نمائندے کراچی آئے اور مدارس و مساجد کے اصحاب اہتمام و خطباء سے ملاقاتیں کیں۔ اکثر و بیشتر نے زبانی دعاؤں پر ٹرخا دیا، وہ حضرات میرے پاس بھی تشریف لائے تو میں نے

حسب استطاعت ان سے عملی تعاون کیا ۔ مولانا اس وقت سرکاری مہمان (جیل میں) تھے ، انھوں نے جب اپنے نمائندوں سے یہ روداد سنی تو حیران ہوئے اور بے ساختہ ان کی زبان پر وہی شعر آگیا جو حضرت شیخ الہند نے اس وقت پڑھا تھا جب ان کے حلقے کی اکثریت مولانا ابوالکلام آزاد مدیر الہلال سے شیخ کے روابط کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے اسے ختم کرنے کی کوششوں میں مصروف تھی ۔ مفتی صدر الدین آزردہ کا وہ شعر یہ ہے ۔

کامل اس فرقہ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

پھر جب مولانا کراچی تشریف لائے تو ان کا پیغام آیا کہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں ، میں نے عرض کیا بسرو چشم ! وہ آئے اور بہت سے عنوانات پر گفتگو رہی ۔ یہ بھی گفتگو ہوئی کہ مذہبی اور غیر مذہبی حلقوں میں ان کے مشن کے لئے کیا طریق کار اپنایا جائے میں نے اس سلسلہ میں کھل کر ان سے گفتگو کی اور عرض کیا کہ کام کے دو طریقے ہیں عوامی اور علمی ، اور دونوں کا مزاج یکسر جدا ہے ۔ دونوں کاموں کو یکجا کرنے والے کوئی کام بھی صحیح طور پر نہیں کرپاتے ۔ ماضی قریب کی تاریخ میں ہی اس کی کئی مثالیں موجود ہیں ۔۔۔۔ البتہ یہ ضرور ہونا چاہیئے کہ دونوں قسم کے کام کرنے والوں کے درمیان کم ازکم خاموش قسم کا رابطہ ہو ، تاکہ علمی کام کرنے والوں کے تجربات سے عوامی قائدین فائدہ اٹھا سکیں ۔ اور علمی کام کرنے والوں کو عوامی حالت کی اطلاع ہوتی رہے اس طرح وہ اپنے کاموں کی ترجیحات متعین کرنے میں حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرسکیں گے ، غیر ضروری مباحث پر اپنی توانائیاں ضائع نہیں کرتے رہیں گے جیسا آج تک ہمارے ہاں ہوتا رہا ہے کہ آمین بالجہر ، رفع یدین اور فاتحہ خلف الامام جیسے مباحث پر تو علمی کاوشوں کا انبار لگا دیا گیا لیکن جو امت کو درپیش حقیقی مسائل تھے ان کی طرف توجہ نہ ہونے کے برابر رہی ۔ چھوٹے چھوٹے فتنوں پر تو اتنی ہنگامہ آرائی کی گئی کہ الامان و الحفیظ ۔ لیکن ام الفتن کے متعلق بڑے بڑے " شیخ الحدیث " اور " مفتیٔ اعظم " لاعلم رہے بلکہ غلط فہمیوں میں مبتلا ہے ۔۔۔۔۔ غرض یہ کہ فکری کام کرنے والوں کے تفردات کی وجہ سے ان سے کٹنے کے

بجائے ان سے ربط رکھنے کی ضرورت ہے ۔ خواہ یہ ربط علی الاعلان نہ ہو ۔ خاموشی سے ہو تاکہ اپنی فرصت کی کمی یا مطالعہ کی کمی کی وجہ سے جن حقائق تک نگاہ نہیں پہنچی اس کا مداوا اس طرح ہوتا رہے ------- اس پر مرحوم شہید نے کہا کہ اس کی کوئی مثال ؟ میں نے کہا آپ کے مشن کے حوالے سے ایک مثال پیش کرتا ہوں بشرطیکہ آپ بھڑک نہ جائیں ---- انھوں نے کہا فرمایئے ! میں نے کہا حدیث و سیرت کے مدون اول امام ابن شہاب زہری میں شیعیت کے جراثیم تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی وہ تمام روایات جو سنی شیعہ مباحث سے متعلق ہیں یہ جراثیم لئے ہوئے ہیں ۔ قرآن کریم کی جمع و تدوین کا معاملہ ہو ، صدیق اکبرؓ کی خلافت و بیعت کا معاملہ ہو ، وراثت نبوی (فدک) کا معاملہ ہو ، ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کا معاملہ ہو (افک) ہر جگہ یہی بزرگ نظر آتے ہیں ------ مولانا نے کہا کہ یہ تو آپ نے بڑی خطرناک بات کہہ دی ۔ اس کی وجہ سے تو آپ پر منکر حدیث ہونے کا فتویٰ لگ سکتا ہے --- میں نے کہا اسی لئے تو یہ مثال میں نے آپ کے سامنے پیش کی ہے ، اچھا یہ فرمایئے بریلوی مسلک کے علماء کی جماعت کے قائد مولانا قمرالدین سیالوی منکر حدیث تھے ؟ کہنے لگے نہیں ۔ میں نے کہا آپ کے استاد محترم صدر تنظیم اہلسنت مولانا دوست محمد قریشی مرحوم تو ضرور منکر حدیث تھے بلکہ عام مولویوں کی رٹی ہوئی عبارت کے مطابق **من شک فی کفرہ فقد کفر** ۔ مولانا ہنس کر کہنے لگے کیا آپ مجھ سے پہیلیاں بجھوا رہے ہیں ؟ میں نے عرض کیا جناب ان دونوں حضرات نے امام زہری کے شیعہ ہونے کا اقرار کیا ہے ، لہذا آپ کے فتوے کے اصل مصداق وہ ہیں ، میں تو صرف ان کا ناقل ہوں --- مولانا حیران رہ گئے ۔ میں نے اسی وقت اپنی لائبریری میں سے مولانا قمرالدین سیالوی کی کتاب " مذہب شیعہ " اور مولانا دوست محمد قریشی کا " مناظرہ جھوک دایہ " منگا کر انہیں دکھائے ۔ مولانا مرحوم انہیں پڑھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ آپ نے تو میری آنکھیں کھول دیں ۔ بالآخر مولانا کی فرمائش پر میں نے ان دونوں کتابوں کی فوٹو اسٹیٹ کرا کے مولانا کے سپرد کی اور عرض کیا کہ اب فرمایئے میرا مشورہ اور میری پیش کردہ مثال درست ہے یا نہیں مولانا نے فرمایا بلاشک وشبہ ------ مرحوم کی شہادت کے بعد ان کے ایک پرجوش عقیدت مند نے بتایا کہ شہید مرحوم نے یہ بات اپنی کسی تقریر میں بھی ببانگ دہل کہہ دی تھی اور کہا کہ ہم سے تقیہ نہیں

ہوسکتا - رحمہ اللہ تعالیٰ و جعل الجنۃ مثواہ ۔

------ (۳) ------

حدیث و سیرت کے مدون اول امام زہری کے متعلق معلومات جمع کرنے کے ساتھ ساتھ ہم نے مناسب سمجھا کہ امام ابن جریر طبری کے متعلق بھی کچھ حقائق پیش کر دئے جائیں کیوں کہ ان کی تفسیر کو ام التفاسیر (تمام تفسیر کی کتابوں کی ماں) اور ان کی تاریخ طبری کو بعد والی تمام تاریخوں کی ماں قرار دیا جاتا ہے ۔ حتیٰ کہ کتنی چیزیں علامہ ابن کثیر کی نظر میں درست نہیں ہوتیں ۔ مگر وہ اپنی تاریخ کی کتاب البدایہ والنہایہ میں یہ کہہ کر درج کردیتے ہیں کہ یہ باتیں اگر طبری نے نہ لکھی ہوتیں تو ہم کبھی نہ لکھتے ۔ اس سے امام ابن جریر کے رعب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ----- مگر اللہ کے فضل و کرم سے ہم اپنی کتابِ معصومؒ لاریب فیہ قرآن مجید اور اس کے حامل صحابہ کرامؓ کے معاملے میں کسی کے رعب میں آنے کے لئے تیار نہیں ----- معیار حق قرآن کریم ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرتیں اس کا چلتا پھرتا نمونہ ایک امام زہری و طبری کیا ؟ ان جیسے بے شمار علماء و مشائخ کو صرف ایک صحابی کی جوتی پر قربان کیا جاسکتا ہے کیوں کہ وہ صحابیؓ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کے قرآنی خطاب یافتہ ہیں ۔ جبکہ ان فقہاء و محدثین اور علماء و مشائخ کو یہ شرف حاصل نہیں ہے ۔

امام طبری کی اس شہرت و اہمیت کے پیش نظر علامہ تمنا عمادی نے ان کے بحیثیت مفسر اور بحیثیت مورخ ہونے کے متعلق جو تحقیقات کی تھیں ان کو بھی ہم نے اس کتاب میں جمع کر دیا ہے ۔ مزید بصیرت کے لئے مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صدیقی ندوی سابق شیخ الحدیث و مہتمم دارالعلوم ندوۃ کی معرکتہ الاراء کتاب " اظہار حقیقت جلد اول و دوم " سے امام طبری سے متعلقہ اقتباسات پیش کردئے ہیں ۔ اور جس طرح امام زہری کے متعلق ہم نے " دیوبندیؒ علماء کی تحقیقات کے ساتھ " بریلوی مسلک " کے حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی اور حضرت زیدابوالحسن شاہ ازہری کے اقتباسات پیش کئے ہیں ، اسی طرح امام طبری کے متعلق بھی بریلوی مسلک کے ایک عالم مولانا محمد علی صاحب کی کتاب " میزان الکتب " سے اقتباس پیش کر دیا ہے

امام طبری کے متعلق کئی کام ابھی باقی ہیں ۔ اللہ کی توفیق سے امید ہے کہ انہیں بھی کر لیا جائے گا ۔ سب سے پہلا کام رجال طبری کا ہے ۔ جب تک ان کے راویوں کے متعلق معلومات واضح نہ ہوں اس وقت تک ان کی روایات پر کس طرح اطمینان کیا جا سکتا ہے ؟ امام طبری نہایت گہرے شخص ہیں ، ان کو جو کچھ پیش کرنا تھا وہ تو پیش کر دیا ، اور اپنی صفائی یہ کہہ کر کرلی کہ :

وليعلم الناظر فى كتابنا هذا ان اعتمادي فى كل ما احضرت ذكره فيه مما شرطت انى راسمه فيه انما هو على ما رويت من الاخبار التى أنا ذاكرها فيه ، والا ثارالتى أنا مسند ها الى فيه دون ماأدرك بحجج العقول وأستنبط بفكر النفوس إلاالیسیر القليل منه ، اذكان العلم بما كان من أخبار الماضين وماهو كائن من انباء الحادثين غير واصل الى من لم يشاهد هم ولم يدرك زمانهم الا باخبار المخبرين ونقل الناقلين دون الاستخراج بالعقول والاستنباط بفكر النفوس فمايكن فى كتابى هذا من خبر ذكر ناه عن بعض الماضين بما يستنكره قارنه أويستشنعه سامعه من أجل انه لم يعرف له وجها في الصحته ولا معنى فى الحقيقة فليعلم انه لم يؤت فى ذلك من قبلنا وانما أتى من قبل بعض ناقليه الينا ، وانا انما ادينا ذلك على نحو ما أدي الينا ۔

" ناظرین کتاب یہ بات سمجھ لیں کہ میں نے جو احوال اس کتاب میں درج کیے ہیں ، اس میں میرا اعتماد انہیں روایات پر ہے جنہیں میں نے سند کے ساتھ ذکر کر دیا ہے ۔ اس میں وہ حصہ بہت ہی کم ہے جسے میں

نے عقلی دلائل اور فکری استنباط یعنی درایت کی رو سے پیش کیا ہو۔ کیوں کہ گزشتہ واقعات و حوادث نہ ہمارے چشم دید ہیں، نہ ہم نے وہ زمانہ پایا ہے۔ ان کا علم ہمیں صرف نقل کرنے والوں اور راویوں کی اطلاعات سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس میں عقل و درایت کو کوئی دخل نہیں۔

لہذا ہماری کتاب کی بعض روایات کے پڑھنے یا سننے سے اگر قاری اس بناء پر تکلف محسوس کریں یا ناراض ہوں کہ اس میں انہیں صحت و حقیقت نظر نہ آرہی ہو تو انہیں معلوم ہونا چاہئیے کہ ان کا اندراج ہم نے خود اپنی طرف سے نہیں کیا بلکہ اس کا منبع وہ ناقل ہیں جنہوں نے وہ روایات ہم سے بیان کیں ہم نے وہی روایات اسی طرح بیان کر دیں۔ جس طرح ہم تک پہنچیں۔

(مقدمہ تاریخ طبری۔ ص ۵ مطبع الاستقامہ قاھرہ ۱۹۳۹ء)

امام طبری کا یہ "معروضی اور سائنٹیفک" انداز اتنا متاثر کن ہے کہ اچھے اچھے ان کے اس سحر سے متاثر ہوجاتے ہیں۔ "خلافت و ملوکیت" کے مصنف اگر اس سے متاثر ہوں تو تعجب کی بات نہیں، تعجب تو یہ ہے کہ خلافت و ملوکیت کا جواب لکھنے والے بھی امام طبری کے اس سحر میں گرفتار ہیں۔ مولانا حافظ صلاح الدین یوسف صاحب اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت" میں لکھتے ہیں:

"دوسرے ابن جریر طبری ہیں، ان کی کتاب میں ان کے غیر جانبدارانہ طرز عمل کی چھاپ اتنی گہری اور نمایاں ہے جس سے کسی کو مجال انکار نہیں، مزید برآں اپنے اس طرز عمل کی وضاحت خود انہوں نے اپنی کتاب کے آغاز میں بھی کر دی ہے۔

(ص ۱۴۸، اڈیشن ۱۹۸۵ء)

اس کے بعد یوسف صاحب نے طبری کی اس عبارت کا ترجمہ دے دیا ہے جسے

تقریباً انھیں کے الفاظ میں ہم پیش کر چکے ہیں)

امام طبری نے اپنے اس مقدمہ میں دو باتیں کہی ہیں، پہلی کا خلاصہ یہ ہے کہ نقل را چہ عقل، ظاہر ہے ایسے اندھے روایت پرستانہ نقطہ نظر کی تائید کوئی ہوش مند شخص نہیں کر سکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے روایات بیان کر دی ہیں عقل و درایت سے کام نہیں لیا، اس حد تک بھی غنیمت تھا۔ مگر وہ ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ تاریخ میں عقل کو کیا دخل۔ ان کے اس نقطہ نظر پر تنقید کے لئے مناسب ہے کہ امام ابن خلدون کے مقدمہ کا مطالعہ کر لیا جائے جس کے فلسفہ تاریخ کو اب مسلمہ کی حیثیت حاصل ہے۔ دوسری بات طبری نے یہ کہی ہے کہ ہم نے تو روایات پیش کر دی ہیں، کسی کو اگر اس کے مندرجات پسند نہیں آتے تو وہ راویوں پر گرجے برسے، ہمیں کچھ نہ کہے۔

ان کی یہ دوسری بات اس قسم کی ہے جیسی "رنگیلا رسول" کے مؤلف نے لاہور کی عدالت میں کہی تھی اور جس سے "متاثر" ہو کر عدالت عالیہ نے مؤلف کے موقف کو صحیح تسلیم کر لیا تھا کہ واقعی مؤلف نے اس کتاب میں مسلمانوں کی کتابوں سے حوالے پیش کئے ہیں، ان حوالوں کے مندرجات اگر ناپسندیدہ ہیں تو اس میں مؤلف کا کیا قصور؟ گرجنا برسنا ہے تو اس کے مآخذ پر گرجو برسو۔ یا اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی مؤلف بانی پاکستان کی سوانح کا نوے فیصد ان کے سیاسی مخالف کانگریسی اخبارات کے رپوٹروں کی بنیاد پر اور دس فیصد مسلم لیگی رپوٹروں کی بنیاد پر مرتب کرے، اور کتاب کے مقدمہ میں امام طبری کا یہی اصول درج کر کے خود کو غیر جانبدار قرار دے دے۔ یا علامہ اقبال کی سوانح کے اکثر حصے ان کے مذہبی مخالف اور ان سے جلے بھنے قادیانی راویوں کی بنیاد پر مرتب کر کے کتاب کے شروع میں امام طبری کا یہی اصول درج کر کے سرخرو ہو جائے۔

.... تو ....

یہ طرز عمل کس حد تک صحیح سمجھا جائے گا؟ ایسی جانبدارانہ کتابیں تو تاریخ کی کھتونی یا ذخیرہ روایات بھی قرار نہیں دی جا سکتیں چہ جائے کہ انہیں مستند تاریخ سمجھا جائے۔

لیکن بہرحال ابو مخنف کے ذہنی غلاموں نے اپنا کام کر دکھایا، جبکہ دوسروں نے جمع و تدوین کے اس دور میں نہ ان کا علاج بالمثل کیا، نہ مثبت طور پر کچھ کام کیا لھذا آج ہمیں مجبوراً حریف کی شرائط پر، اس کے پسندیدہ میدان میں اپنی مدافعانہ جنگ لڑنی پڑ رہی ہے۔ جس کے لئے طبری کے رجال پر کام کرنا نہایت ضروری ہے۔

تفسیر طبری کے رجال پر تو مصر کے محمود شاکر صاحب کا کام موجود ہے۔ تاریخ طبری کے رجال پر علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی لکھنے سے پہلے سید سلیمان ندوی صاحب سے کام کروایا تھا جیسا کہ مقدمہ سیرت النبی اور مکاتیب شبلی سے واضح ہے۔

علامہ شبلی مقدمہ سیرت میں "اصول تصنیف و ترتیب" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں

> " (۳) روز مرہ اور عام واقعات میں ابن سعد، ابن ہشام اور طبری کی عام روایتیں کافی خیال کی ہیں، لیکن جو واقعات کچھ بھی اہمیت رکھتے ہیں انکے متعلق تنقید و تحقیق سے کام لیا ہے اور تا امکان کدو کاوش کی ہے اس خاص ضرورت کے لئے ہم نے پہلا کام یہ کیا کہ ابن ہشام، ابن سعد اور طبری کے تمام راوۃ کے نام الگ منتخب کر لئے جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔، پھر اسماء الرجال کی کتابوں سے ان کی جرح و تعدیل کا نقشہ تیار کیا، تاکہ جس سلسلہ روایت کی تحقیق مقصود ہو، بہ آسانی ہو جائے" (صفحہ ۱۰۱)

علامہ شبلی کا رجال پر یہ کام نہایت قیمتی اور اہم تھا مگر افسوس اب اس کا کہیں وجود نہیں ہے۔ ایک مرتبہ دارالمصنفین اعظم گڑھ کے ناظم سید صباح الدین عبدالرحمان صاحب کراچی تشریف لائے تھے اور خالد اسحاق صاحب ایڈوکیٹ کے یہاں ان کی دعوت تھی تو میں نے ان سے اس کے متعلق دریافت کیا لیکن انہیں اس کام کا علم ہی نہیں تھا، میں نے عرض کیا کہ واپس جاکر تحقیق کر کے مطلع فرمایئے گا تو عرصہ دراز کے بعد یہی جواب آیا کہ سب سے معلوم کر لیا۔ اس کا دارالمصنفین میں کہیں وجود نہیں ہے۔

بالآخر ہمت کر کے دوسرے کاموں کے ساتھ تاریخ طبری کے رجال پر اور اس کی روایات پر درایت کی رو سے کام کی میں نے ابتداء کر دی، رجال پر جس حد تک کام میں

کر چکا تھا اس کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے میں نے مولانا حبیب الرحمن صدیقی کاندھلوی صاحب سے فرمائش کی مگر وہ اپنی صحت کی کمزوری کی وجہ سے اس طرف توجہ نہیں کر سکے وراثتی کام بھی رکا ہوا ہے۔ ورنہ میری آرزو یہ تھی کہ جس طرح احناف نے تاریخ خطیب کے متعلقہ حصہ پر محنت کر کے اسے مستقر نہیں رہنے دیا بلکہ اس مقام پر پہونچ کر ان کی محنتوں کے نتیجے میں ہر قاری کی تنقیدی حس بیدار ہوجاتی ہے۔ اسی طرح تاریخ طبری کے متعلقہ حصوں کے متعلق اتنی محنت ہوجانے کہ ان مقامات پر مطالعہ کرنے والے حضرات بے حس نہ رہیں بلکہ انہیں احساس رہے کہ یہاں دوسرا رخ بھی پیش نظر رہنا چاہیئے۔ تا کہ متوازن رائے قائم کی جاسکے۔

مگر یہ آرزو معلوم نہیں کب پوری ہوگی۔ فی الوقت تو زیر نظر مجموعہ پیش خدمت ہے جو حدیث و سیرت کے مدون اول امام زہری اور تفسیر و تاریخ کے مدون اول امام طبری کے رجحانات کو سمجھنے میں انشاء اللہ یقیناً ممد و معاون ثابت ہوگا اور تاریخ اسلام کی ان دو اہم اور غیر معمولی شخصیات کو نہ سمجھنے سے مت کو جو نقصانات ہوئے ہیں، ان کے مداوے کے لئے اہل علم و دانش اپنی توجہ مبذول کرسکیں گے۔ **وماذلک علی اللہ بعزیز** **اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه**۔

محمد طاہر

- مفتی و مہتمم جامعہ مدینۃ العلوم اورنگ آباد کراچی ۱۸
  سرپرست عالمی جمعیت تدریس القرآن
- سرپرست یوم خاتم المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم
- اولین ناظم اعلیٰ کل پاکستان سنی کونسل
- جنرل سیکریٹری ادارہ فکر اسلامی کراچی
- ترجمان متحدہ سنی محاذ برائے عظمت قرآن کریم و صحابہ کرامؓ

---

(۱) اس کی ایک مثال مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کے صاحبزادے مولانا عتیق الرحمان سنبھلی کی کتاب ہے جو پاکستان میں بھی کئی اداروں کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔
(ماہنامہ نقیب ختم نبوت، دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان کے دفتر سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے)
اس میں مولانا عتیق الرحمان صاحب نے کربلا کے حوالے سے تاریخ طبری کی روایات کا تجزیہ کیا ہے اور باوجود حد سے زیادہ احتیاط کے اس عنوان پر اہل فکر کے لئے بہت سا ذخیرہ جمع کردیا ہے
(طاہر)

تاثرات بروفات

علامہ تمنا عمادی مجیبی

مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی، ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی استاد فلسفۂ لسانیات، ملک عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ مشیر امور اقلیات، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ۔ حال ناظم تعلیمات ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

برصغیر ہند و پاک کے ایک مقتدر عالم دین، وسیع النظر محقق اور اردو فارسی کے بلند پایہ ادیب وشاعر مولانا محی الدین تمنا ۸۵ سال کی عمر میں گزشتہ ماہ وفات پائی۔

وہ صوبہ بہار کے ایک مردم خیز قصبہ پھلواری کے رہنے والے تھے، اور ایک ایسے علمی و دینی خاندان کے رکن تھے۔ جہاں کچھ اوپر دو سو سال سے علم و مشیخت کا سلسلہ قائم ہے، ان کو فارسی اور فن عروض میں ماہرانہ دستگاہ حاصل تھی۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اپنے ایک مقالہ میں بہار کی باکمال شخصیتوں کا تعارف کرایا ہے، اس میں مولانا عمادی مجیبی کا تذکرہ اسی حیثیت سے کیا ہے، یہ مقالہ سید صاحب کے مجموعۂ مقالات نقوش سلیمانی میں موجود ہے۔ مولانا عمادی مجیبی بہت ہی ذہین، اعلیٰ درجہ کے طباع اور نکتہ سنج تھے، انھوں نے درس نظامی کی تکمیل اپنے والد اور خاندان کے دوسرے بزرگوں مولانا حکیم علی نعمت اور مولانا محمد منظور احمدؒ سے کی تھی، اور کچھ عرصہ[1] تک متوسطات کی کتابوں کا درس بھی دیا تھا، ان کے والد مولانا شاہ نذیر الحق فائز ایک وسیع الاستعداد

[1] خود علامہ تمنا کے ارشاد کے مطابق اور علامہ کے شاگرد مولانا اسد القادری کی تحریر کے مطابق درس وتدریس کا زمانہ چودہ پندرہ سال پر محیط ہے۔ اور اس دوران ابتدائی کتابوں سے انتہائی کتابوں تک سب کا درس دیا۔ (طاہر)

عالم تھے۔ فارسی میں فکر سخن کرتے تھے۔ ان کے کلام کا مجموعہ پروفیسر ڈاکٹر افضل امام صاحب نے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ مولانا عمادی کا ابتدائی تعارف بھی ایک شاعر کی حیثیت سے ہوا، ان کی شاعری زیادہ تر بلکہ تمام تر نعت نبوی پر مشتمل تھی، وہ فارسی اور اردو میں پرجوش اور پرکیف نعتیں کہتے تھے۔ نعتوں کے ضمن میں اصلاح و موعظت کے مضمون بھی بڑی خوبی سے نظم کرتے، ان کے شیخ طریقت اور استاد شاہ رشید الحق عمادی سجادہ نشین خانقاہ عمادیہ پٹنہ، جو ان کے آبائی رشتہ سے چچا بھی تھے۔

مولانا تمنا عمادی کو "حسان الہند" کہا کرتے تھے، چنانچہ ان کی نظموں کے ابتدائی مجموعے "حسان الہند علامہ تمنا عمادی مجیبی پھلواری" کے نام سے شائع ہوا کرتے تھے افسوس کہ ان سطور کی تحریر کے وقت ان کے اشعار کا کوئی مجموعہ نہیں ہے جو نمونہ کے طور پر پیش کیا جا سکے۔ البتہ چند متفرق اشعار جو حافظے کے گوشوں میں پراگندہ پڑے ہوئے ہیں ان کا یہاں درج کرنا نامناسب نہ ہوگا۔

حضرت جابر بن سمرہؓ کی ایک روایت شمائل ترمذی میں ہے کہ وہ ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کو یمنی چادروں میں ملبوس دیکھ رہے تھے کبھی وہ چاند کو دیکھتے اور کبھی حضور انور کو! اور کہتے کہ مجھ کو حضورؐ انور چاند سے زیادہ خوبصورت نظر آرہے تھے اس واقعہ کو مولانا تمنا عمادیؒ نے نظم کیا تھا! اس نظم کا ایک شعر یہ ہے۔

رات بھر کیوں نہ تجھے چاند میں دیکھا ہی کروں
ان کی صورت سے بہت ملتی ہے صورت تیری

شاعری ان کے فن عروض میں ماہرانہ دستگاہ کا نتیجہ تھی۔ مگر پھر بھی اکثر اشعار سلیس اور رواں ہوتے تھے مثلاً ایک نظم کا پہلا شعر ہے۔

شیوۂ احبابؔ جدا، شکوۂ اغیار جدا
میرے افسانے کے ہیں دو باب، ہر اک باب جدا

لہ یہ مصرع غالباً اصل مضمون نگار کے سہو قلم نے کچھ سے کچھ بنا دیا۔ شاید اصل مصرع یوں ہو۔ "شکوۂ غیر جدا، شکوۂ احباب جدا"

ان کی شاعری کا اصلی رنگ فارسی میں کھلتا تھا، ایک مشہور زمین میں ان کے یہ دو شعر سنئے۔

حاشا کہ دل از ناوکِ جاناں گلہ دارد ٭ برباد سرائے کہ ز مہماں گلہ دارد
دیوانہ بکار است چہ داد ند ز دستش ٭ داماں گلہ دارد کہ گریباں گلہ دارد

مولانا تمنا عمادیؒ کے شاگردوں کی تعداد خاصی تھی جن میں بعض بہت کامیاب شعراء بھی رہے ہیں جیسے نجم، ارمان اور شفیع تمنائی پھلواروی، ان کے علاوہ خاندان کے اکثر و بیشتر نوجوان جن کے اندر شاعری کی امنگ پیدا ہوئی، مولانا سے ہی رجوع کرتے تھے۔ مگر شعر و ادب سے دلچسپی جوانی ہی کی عمر میں کم ہو گئی تھی، علمی و تحقیقی مصروفیات نے اس ذوق پر غلبہ حاصل کر لیا تھا لیکن شعر و ادب سے وہ کلیتہً مستغنی نہیں ہوئے تھے، اپنے وسیع اور عالی شان مکان کا نام انھوں نے "دارالادب" ہی رکھا تھا جو ان کی ہجرت پاکستان کے بعد دوسروں کے قبضے میں آیا مگر اس کے دروازوں کا کتبہ اب بھی باقی ہے۔

وہ خاندانی صوفی تھے، تصوف کی گودوں میں پلے تھے، ان کے جد امجد (چھٹی پشت کے دادا) حضرت تاج العارفین شاہ محمد مجیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کے اخلاف کی دو خانقاہیں پھلواری اور پٹنہ میں موجود ہیں۔ ان کی خانقاہوں کے "رسوم و آداب" نہ خالص دیوبندی طرز کے ہیں نہ بریلوی انداز کے، ان دونوں کے درمیان ایک معتدل اور متوسط انداز کی رسمیں وہاں رائج ہیں جن میں رسم سماع بھی شامل ہے۔ مولانا تمنا عمادی ان مروجہ مراسم تصوف سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔ ذکر، شغل، مراقبہ، قبور سے لے کر حال قال میں کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد ان مراسم سے دل برداشتہ ہو گئے بلکہ ان کے سخت مخالف ہو گئے۔ اس تبدیلی کا سبب خواہ کتاب و سنت کے مطالعہ کا خاص انداز رہا ہو یا کوئی دوسرا نفسیاتی سبب اس کا تعین دشوار ہے۔[1] بہرحال یہ باتیں راقم الحروف

---

[1] خود علامہ تمنا کے ارشاد کے مطابق (جیسا کہ مولانا ظفر احمد عثمانی کے نام خط میں انھوں نے تحریر کیا ہے) تصوف اور اس کی رسوم سے علامہ کے بُعد کی وجہ کتاب اللہ، سیرت رسول اللہ اور سیرت اصحاب رسول اللہ کا غیر جانبدارانہ مطالعہ تھا۔ ورنہ ظاہر ہے ایک خاندانی پیر گھرانے کے فرد کے لئے صوفیانہ رسوم سے فائدے ہی فائدے تھے۔ (ظاہر)

کے وجود سے پہلے کی ہیں۔ اس لئے ان پر رائے زنی آسان نہیں ہے کہ تصوف سے انحراف و انکار کا باعث کیا تھا۔ البتہ جو چیز ہوش سنبھالنے کے بعد دیکھی اور سُنی وہ یہ تھی کہ مولانا تصوف، خانقاہ اور خانقاہیت کے شدید منکر تھے۔ وہ اپنے گھر پر ہر جمعہ کو درسِ قرآن کا جلسہ کیا کرتے تھے۔ قرآن کریم سے ان کو شغف تھا، عربی لغت و نحو پر ان کو عبور کامل تھا تفسیروں پر نظر تھی۔ تصوف پر جب وہ نکیر کرتے تو کہا کرتے تھے کہ مجھے یہ الزام نہیں دیا جا سکتا کہ ؎ لذت ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی

تصوف کے انکار سے ان کے اندر ایک ذہنی انقلاب پیدا ہوا۔ انھوں نے اپنی عمر میں بار بار رائے نہیں بدلی۔ یہی ایک تبدیلی تھی جو اول و آخر ہوئی مگر اس کے نتائج بہت دور رس اور بعد میں تکلیف دہ حد تک غلو کی شکل میں نمایاں ہوئے۔ پہلا نتیجہ تو یہ نکلا کہ وہ تحقیق میں تقلید سے آزاد[1] ہو گئے وہ مسائل میں تحقیق کے وقت براہ راست قرآن و احادیث اور زیادہ تر قرآن کریم سے استشہاد کرتے۔ ائمہ مجتہدین اور ان کے پیرو بزرگوں کے اقوال ان کے لئے دلیل کا درجہ نہیں رکھتے تھے۔ دوسرے الفاظ میں آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے مقالات میں حوالے کبھی ثانوی مآخذ ____________ (SECONDERY SOURCES) کے نہیں دیتے تھے۔ انکار تصوف کا دوسرا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ تصوف کے "سلسلۃ الذہب" سے ان کے اندر ایک کد پیدا ہو گئی اور مناظرانہ جوش میں وہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہ اور خاندان رسالت کے افراد پر اس طرح تنقید کرتے جس طرح شیعہ سنی مناظرہ کرنے والے بعض اہل سنت علماء کرتے ہیں بلکہ ان سے بھی دو قدم آگے۔[2]

---

[1] یہ نتیجہ تو بہت مبارک تھا اسے "تکلیف دہ حد تک غلو" کہنا بڑی زیادتی ہے۔ تحقیق حق میں اگر کوئی شخص اپنے خاندانی یا علمی اکابر یا فرقہ کی تقلید سے آزاد نہ ہو تو وہ تحقیق کر ہی نہیں سکتا۔ (طاہر)

[2] علامہ تمنا خود محترم مقالہ نگار کے ارشاد کے مطابق حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے تھے یعنی ہندی محاورہ کے مطابق سید تھے لہذا حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ ان کے جدِ امجد تھے۔ پھر صحابی تھے اور علامہ کا مسلک تو از اول تا آخر اسوۂ صحابہ کی تعمیل تھا جسے وہ قرآنی اصطلاح میں سبیل المؤمنین کہا کرتے تھے اور اس عنوان پر انھوں نے باقاعدہ ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ لہذا اگر وہ صحابۂ کرام کی اکثریت کے مقابلہ میں اپنے اجداد کی ایک آدھ خطاء اجتہادی کا اعتراف کرتے تھے تو یہ تو ان کی حق شناسی کا بہت بڑا ثبوت ہے نہ کہ تکلیف دہ حد تک غلو کا

غالباً یہی رگ تھی جس نے ان کے قلم سے محمود عباسی کے ان خرافات کی بھی تائید کرادی ۔ جن پر تحقیق کا لیبل علم پر ایک بدترین تہمت[1] ہے جس میں کھلا دجل، عبارتوں کی قطع و برید، غلط انتساب سب کچھ ہے ۔

وہ حدیث کے منکر نہیں تھے ۔ یہ ان پر اتہام ہے ۔ وہ نام نہاد اہلِ قرآن کی طرح علم حدیث سے کورے نہیں تھے ۔ بلکہ رجال احادیث پر ان کا اتنا بڑا کام ہے جس کی نظیر بہت سے شیخ الحدیثوں کے یہاں نہیں مل سکتی، وہ صرف یہ کہا کرتے تھے کہ حدیثیں قرآن کی ناسخ نہیں ہوسکتیں اور جو حدیثیں نص قرآن سے متعارض ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں نہیں ہوسکتیں ۔ مگر ہند و پاک کے اس گروہ نے جو اپنے آپ کو اہلِ قرآن کہتا ہے، مولانا کی تحریروں سے خوب خوب فائدہ اٹھایا ۔ احادیث کے متون اور رجال سند کی بحثیں جن کا جائزہ لینا ان کے بس میں نہ تھا ۔ اس کام کو مولانا عمادی انجام دیا کرتے تھے اس میں ان کی تائید کے پہلو ل جاتے، اُس کو اجاگر کر کے پیش کرتے، اس طبقہ کے اس طرز عمل نے مولانا کو کئی نقصان پہنچائے ۔ ایک طرف تو مدارس کے علماء نے ان کو بھی

(بقیہ ص ۴۱ کا حاشیہ) اگر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ ۔ حواری رسول حضرت زبیرؓ اور حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کی خطائے اجتہادی پر زور دینا اور اس کا پروپیگنڈہ کرنا بلکہ اسے عقیدہ بنا لینا جرم نہیں ہے تو حضرت علیؓ و حضرت حسینؓ کی کسی خطائے اجتہادی کا قائل ہونا جرم کیوں ہو؟ کیا ام المؤمنین حضرت عائشہؓ صدیقہ اور حواری رسول حضرت زبیرؓ کی خطائے اجتہادی کا تذکرہ کرنے والے بھی "تکلیف دہ حد تک غلو" کے مرتکب کہلائیں گے یا ان کے خطائے اجتہادی کا تذکرہ کرنا جرم نہیں ہے؟ حضرت! اگر اصول ہو تو سب کے لئے یکساں ہونا چاہئے ۔ ورنہ صحابہ کرام میں سے کچھ کے لئے معیار جدا ہو اور کچھ دوسروں کے لئے جدا معیار ہو یہ طرز عمل اصول اور عدل کے خلاف ہے اور فی الحقیقت "تکلیف دہ حد تک غلو" یہ طرز عمل ہے نہ کہ علامہ تمنا کی اصول پسندی جس کی وجہ سے تمام صحابہ کرام کو ایک نظر سے دیکھا جاتا ہے ۔ (طاہر)

[1] محترم مقالہ نگار کا یہ فیصلہ بھی انتہا پسندانہ ہے ۔ عباسی مرحوم کی یہ کتاب نہ اس قدر بری ہے جیسا کہ مقالہ نگار کا ارشاد ہے ۔ نہ ایسی غیر معمولی جیسا کہ اس کتاب کے معتقدین سمجھتے ہیں ۔ اگر محترم مقالہ نگار اس کتاب کو اس حد تک بدترین سمجھتے ہیں تو انھیں کسی مختصر مقالہ ہی میں سہی اس کتاب کی علمی تنقید کر دینی چاہئے تھی جذباتی انداز کے الزامات نامناسب ہیں ۔

پرویز جیسا مدعی علم سمجھ لیا اس لیے ان کی باتوں کو قابل توجہ نہیں سمجھا اور کبھی ان کا نام بھی لیا تو اسی انداز سے جس طرح پرویز صاحب کا نام تحقیر و استخفاف کے ساتھ علمی و دینی حلقوں میں لیا جاتا ہے۔

دوسری طرف ان محمود عباسیوں، پرویزیوں اور اہل قرآنوں نے مولانا تمنا کی مکمل بات سامنے نہیں آنے دی۔ چند ماہ پہلے ماہنامہ فاران میں مولانا تمنا کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں انھوں نے اس مظلومیت کا اظہار کیا تھا۔

عالم باعمل بہرحال اپنے "موتی" کا ذکر خیر کرنا چاہیے، ان کی خاص بات جس کی شہادت ان کے انتقال کے بعد دی جا سکتی ہے اور جس کی شہادت میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ وہ مخلص اور سچے مسلمان تھے، انھوں نے جو کچھ لکھا اور کہا وہ ان کے ضمیر کی آواز تھی اور ان کی تحقیق کا نتیجہ تھا، انھوں نے اپنے نظریہ کے تحت (کسی یافت کے لیے نہیں) اپنا جما جمایا گھر، بینک نامی اور عزت کی زندگی، خوشحالی اور فارغ البالی کی معیشت کو چھوڑ کر ــــ مشرقی پاکستان میں ہجرت کی، اپنے اعزہ اور خاندان کے افراد جن کی بے پناہ محبت ان کے دل میں تھی اور جن کے نازک سے نازک جذبات کا وہ احترام کرتے تھے، ان سب کی بے رُخی مول لی، ان کے اخلاص و صداقت کا ایک نمونہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی دو بیٹیوں کی شادی ایسے خاندان میں کر دی جس کو بہار کی ہندوانہ معاشرت سے متاثر مسلم معاشرہ نسبی اعتبار سے پست سمجھتا تھا، اور خاص طور سے "پھلواری" کے مشائخ کا خاندان جو اس کو "ناک کٹانے" کے مرادف سمجھتا تھا، وہاں انھوں نے کسی تنقید کی پروا نہ کی، یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ یہ اقدام وہی کر سکتا تھا جس کو اپنے عقائد پر اطمینان کامل ہو، لیکن وعظ کہنا اور مضمون لکھ دینا آسان ہے مگر عملی اقدام وہی کر سکتے ہیں جو اولوالعزم ہوں!

ان کا دوسرا وصف یہ تھا کہ وہ عمر بھر ایک نہ تھکنے والے محنتی طالب علم رہے۔ اپنے ہوش سنبھالنے سے لے کر بستر مرگ تک جبکہ ان کو اپنی موت صاف نظر آ رہی تھی علمی تحقیق و جستجو میں مصروف رہے، راقم الحروف کے پاس ان کا آخری خط نومبر کی کسی تاریخ کا ہے انتقال سے

دس پندرہ روز پہلے لکھا تھا۔ اس کی ابتدا، اس طرح کی تھی کہ یہ خط اپنے بستر مرگ سے لکھ رہا ہوں، اس خط میں بھی قرآن کریم کے چند الفاظ اور ان کی تعبیر پر تحقیقات کا مفصل ذکر تھا۔ ان کے اس خط کو پڑھ کر مجھے ایک بزرگ عالم کا واقعہ یاد آیا کہ انھوں نے اپنے آخری لمحات زندگی میں کسی سے فرائض کے ایک مسئلہ کو دریافت کیا، لوگوں نے کہا یہ آپ کا آخری وقت ہے اس وقت آپ یہ معلوم کر کے کیا کریں گے انھوں نے جواب دیا کہ کسی شے سے واقف ہو کر مرنا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ جاہل رہ کر مروں!

مولانا تمنا عمادی مجیبی ۱۳۰۵ھ میں ایک کھاتے پیتے گھرانے میں پیدا ہوئے اور ۱۳۹۲ھ میں کراچی میں مسافرانہ بیکسی کی حالت میں فوت ہوئے حق تعالیٰ جل شانہ کی شانِ رحمت جو مغفرت کے لئے بہانہ ڈھونڈتی ہے ان کو بخش دے۔ (آمین)

(ماہنامہ فاران کراچی، مارچ ۱۹۷۳ء ص ۹ تا ۱۱)

(علامہ تمنا کے علمی و تصنیفی کارناموں کی مزید تفصیلات کے لئے جمع القرآن و اعجاز القرآن شائع کردہ الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ کے شروع میں ہماری تحریر ملاحظہ ہو۔ طاہر)

حصہ اوّل

روایات حدیث وسیرت کے مدوّن اول محمد ابن شہاب زہری

فتنۂ روایات کا پس منظر

اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تقریباً تیئیس سال تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے مستفیض ہوتے رہے اور علماً و عملاً دین کی ساری باتیں قولاً و فعلاً سیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ تعامل کے ذریعے تمام صحابہ میں دین کلاً و جزءً ہر طرح مروّج ہوگیا۔ سارے مسلمان ہدایت قرآن پاک و تعلیم و تبیین رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق دین پر چلنے لگے۔ پھر جب رسول صلے اللہ علیہ وسلم اپنا فرض انجام دے چکے اور اپنا کام پورا کر چکے اور اس عالم سے تشریف لے گئے۔ کل نفس ذائقۃ الموت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپ کے بعد آپ کی تعلیم و تبیین کے مطابق تمام صحابہ کرام قرآن پاک پر عمل کر رہے تھے۔ عقائد و عبادات میں کسی قیاس و اجتہاد و اختراع و احداث کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فریضہ اولین یہی تھا کہ عقائد و عبادات جو دین لذاتہا ہیں۔ اور محض ابتغاء لمرضاۃ اللہ ہی ان کا پابند ہونا پڑتا ہے۔ اور جن کا علم صحیح بغیر تعلیم کتاب رسول کسی کو کبھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاءُ (آل عمران) یعنی "اللہ تم میں سے کسی کو بھی عالم غیب کے حالات سے مطلع کرنے والا نہیں۔ ہاں اللہ اپنے رسولوں میں سے اس کے لئے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔

ان وجوہ کی بناء پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام کے پاس کوئی ذریعۂ علم، آخرت کے نفع و نقصان سے متعلق بجز قرآن و سنت کے کچھ نہ تھا۔ البتہ معاملات میں آئے دن نئے نئے واقعات ایسے ایسے آتے رہتے ہیں۔ ان میں سے ہر واقعہ کی جزئیات کے بالکل مطابق کوئی آیت یا کوئی تعلیم نبوی کی جستجو یقیناً محال عقلی ہے۔ اس کے لئے

ضرورت قیاس و اجتہاد کی پڑے گی اور صحابہ رضؓ کو معاملات کے فیصل کرنے میں قیاس و اجتہاد کی ضرورت پڑتی ۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ کسی صحابی نے خلیفۂ وقت سے کہا کہ اسی قسم کا معاملہ میری موجودگی میں رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تھا تو آپؐ نے اس وقت یہ فیصلہ دیا تھا ۔ اگر وہ روایت قرآن پاک کے خلاف نہ ہوئی تو خلیفۂ وقت نے پوچھا کہ تمہارے اس بیان کے گواہ بھی ہیں ۔ اگر وہ گواہی میں دوسرے دو صحابیوں کو لے آیا ، تو اس کی بات مان لی گئی ۔ یا خلیفۂ وقت کو اس کے بیان سے قرآن پاک کی کوئی آیت بھی سند میں یاد آگئی ۔ یا کسی دوسرے صحابی نے یاد دلادی تو اب ضرورت گواہی کی کیا رہی ؟ ورنہ اگر وہ گواہ نہ لا سکے تو پھر اس بیان کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے خلیفہ نے اپنے قیاس و اجتہاد سے کام لیا ۔

اور اگر اس صحابی کا وہ قول قرآن کے خلاف نظر آیا تو حضرت عمر فاروق رضؓ کیطرح صاف کہہ دیا کہ لَانَتْرُکُ کِتَابَ رَبِّنَا بِقَوْلِ اَعْرَابِیٍّ یعنی : ہم اپنے رب کی کتاب کو ایک بدُّو کی روایت کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے کیونکہ وہ بدُّو جھوٹا ہو سکتا ہے ۔

عہدِ صحابہ رضؓ میں روایت

غرض یہ کہ عہد صحابہ رضؓ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد روایت کی ضرورت صرف فصلِ خصومات اور تصفیۂ معاملات ہی کے وقت محسوس ہوتی تھی کبھی کبھی خلیفۂ وقت یا جن کے ہاتھ میں اس وقت کسی مشکل معاملہ کا تصفیہ ہوتا تو دوسرے صحابہ رضؓ سے پوچھتے کہ کسی کو یاد ہے کہ اس قسم کا کوئی مقدمہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا ہو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی فیصلہ فرمایا ہو ۔

تصریحِ ضرورت

اور یہ ضرورت کیوں پڑتی تھی ؟ صرف اسلئے کہ حتی الوسع وہ احتیاط کرتے تھے ، وہ اپنے کو خواہ مخواہ کے قیاس و اجتہاد سے بچاتے تھے ۔ وہ نہیں چاہتے تھے ۔ کہ جب تک اسوۂ نبویہ مل سکے ہم بطور خود کوئی راہ اختیار کریں ۔ اسلئے جہاں قیاس و اجتہاد کا موقع ہوتا بھی ، پہلے پوچھ لیتے تھے کہ مجھ سے پہلے خود رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے معاملہ کے متعلق اگر کوئی

فیصلہ دیا ہے تو بہتر ہے کہ وہی فیصلہ یہاں بھی رہے ، ورنہ مجبوراً قیاس واجتہاد سے کام لیا جائے۔ پھر اگر وہ روایت جو ملی قرآن کے خلاف ہے تو فوراً رد کر دیگئی۔ یہ سمجھ کر نہیں کیا کہ نعوذ باللہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے خلاف یہ فیصلہ کیا ہے۔ بلکہ یہ سمجھتے ہوئے کہ راوی غلط بیان کر رہا ہے۔ خواہ اسلئے کہ راوی کو جھوٹا سمجھا یا اسلئے کہ اسے ضعیف الحافظہ سمجھا یا اسے بے وقوف سمجھا۔

بے ضرورت روایت

اور بے ضرورت روایت بطور تذکرہ وذکرِ خیر کہ جب مجمع میں بیٹھے تو بیان کرنے لگے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا اور اس طرح کیا۔ وغیر ذٰلک۔ اس کا مشغلہ تھا اور ضرور ہوگا۔ کیونکہ مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ یعنے جس کو زیادہ محبوب رکھتا ہے اس کو بہت زیادہ یاد کیا کرتا ہے۔ صحابہ کرام رضہ کو جو محبت رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے تھی پوشیدہ نہیں۔ اسلئے یقیناً تابعین کی جماعت میں ہر صحابی جب بیٹھتے ہوں گے۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر ضرور کرتے ہوں گے۔ اور تابعین بھی ان سے ذرا ذرا بات ضرور پوچھتے ہوں گے۔ مگر یہ محض بہ تقاضائے محبت ذکرِ خیر ہی کے رنگ میں ہوتا تھا۔ اس کو دین کی تبلیغ نہیں سمجھتے تھے۔ مگر اکابر صحابہ رضہ اس سے بھی احتیاط برتتے تھے۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آگے چل کر اس سے دین میں کوئی رخنہ پڑے اور لوگ کتاب اللہ سے غافل ہو جائیں۔ اسی لئے امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ وجزاہ عنا وعن سائر المسلمین جزاءً حسناً روایت حدیث کے بارے میں بہت احتیاط کرتے تھے۔ اور سختی سے صحابہ کرام رضہ کو اس سے روکتے تھے اور صاف فرما دیا کرتے تھے۔ کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ یعنی ہم لوگوں کے لئے کتاب اللہ کافی ہے۔

مُنافقینِ عجم اور فِتنۂ روایت کی ابتداء

صدیق اکبر رضہ اور فاروق اعظم رضہ کے عہدِ مبارک کی مجاہدانہ کوششوں کے نتیجہ میں جو ایران فتح ہوا تو اہل ایران پر اس کا بیحد اثر پڑا۔ اور پڑنا تھا۔ کیونکہ عرب کا اکثر خطہ ایران

کا باجگذار تھا۔ حجاز باجگذار تھا۔ توکم ازکم ایک حد تک زیر اقتدار ضرور تھا اور ایران اس وقت کے متمدن ترین ملکوں میں تھا جو فنون حرب واسالیب جنگ کے ماہر تھے۔ مگر مٹھی بھر عربوں نے نہایت قلیل مدّت میں اس طرح پورے ایران پر تقریباً غلبہ و تسلط حاصل کر لیا اور ایسا تسلط حاصل کیا کہ ایران کسی طرح بھی ان کے پنجۂ اقتدار سے نکل نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ آج تک اس وقت سے ایران مسلمانوں ہی کے قبضہ میں ہے۔ اور انشاءَ اللہ رہے گا۔ ایران کے بعض مدبّرین نے انتقام کی راہیں سوچیں، مگر اسکے سوا کوئی دوسری راہ نہ نکلی کہ کچھ ایسے نوجوان منتخب کئے جائیں۔ جو ایران و عرب کے تجارتی و سیاسی تعلقات کی وجہ سے عربی زبان سے بھی آشنا ہوں اور ایران کے علوم مُتداولہ یعنی رمل و نجوم و جفر وغیرہ میں جن کا ایران میں بہت رواج تھا معقول مہارت رکھتے ہوں اور فنون حرب وغیرہ سے بھی باخبر ہوں ۔ اور ہوشیاری وچالاکی، مکروفریب، لبّاقی و عیّاری میں بھی ممتاز ہوں۔

غرض ایسے نوجوان ایک معقول تعداد میں ایران کے مختلف شہروں اور دیہاتوں سے چُن کر مہیّا کئے گئے اور مناسب ہدایتیں اور تعلیمات انہیں دی گئیں ۔ اور مدینۂ طیّبہ کی طرف سب کو روانہ کردیا گیا۔ یہ مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت امیرالمؤمنین فاروق اعظم رضؓ کے حضور میں حاضر ہوکر مشرّف بہ اسلام ہوئے کیونکہ بہ ظاہر اسی ارادہ سے آئے تھے۔ یہ سب مسلمان ہونے کے بعد تعلیم قرآن کے لئے حضرت ابوہُریرہ رضؓ کے سپرد ہوئے اور وہ اُنہیں تعلیم قرآن کرنے لگے۔ اس دوران یہ لوگ صحابۂ کرام رضؓ اور یہاں کے مسلمانوں کا انداز دیکھتے رہے کہ ان کا اُصول زندگی کیا ہے اور کس طرح رہتے ہیں۔ اور کہاں کہاں پانی مرسکتا ہے۔ چند ہی دنوں کے بعد اس کو خوب محسوس کرلیا کہ جب تک حضرت فاروق اعظم رضؓ زندہ ہیں۔ ہم لوگوں کی کوئی ریشہ دوانی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اور ان کو عداوت بھی سب سے زیادہ ان ہی سے تھی۔ کیونکہ ایران کی فتح ان ہی کی سیاست دانی اور دوراندیشی کا نتیجہ تھی۔ مگر یہ لوگ اپنی جماعت میں سے کسی ایک کے ہاتھ سے بھی ایسا کام ہونا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ جس سے ان کی جماعت بدنام یا مشتبہ ہوجاتی

اس لئے اس جماعت نے ان اسارٰی (قیدیوں) کو اپنا ہمراز بنایا۔ جو ایران سے جنگ کے موقع پر فتوحات کے سلسلے میں آئے تھے۔ اور چونکہ اہل ایران نے ان کا فدیہ نہیں دیا۔ اور احسان کر کے چھوڑ دینا مناسب وقت نہ تھا۔ اسلئے ان کی ایک خاصی بڑی تعداد مدینہ منورہ ہی میں موجود تھی۔ وہ بہت آسانی سے اس جماعت کے ہمراز اور شریک مکر و فریب ہو گئے۔ خصوصًا وہ قیدی جو کہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ جن میں فیروز لؤلؤ بھی تھا مؤرخین جو وجہ بھی لکھ دیں کہ اس کو فلاں وجہ سے فاروق اعظمؓ سے عداوت تھی۔ مگر درحقیقت وہ ایک ظاہری بہانہ تھا۔ اصل حقیقت اور حقیقی راز کو اس قاتل ملعون نے افشار نہیں کیا۔ بلکہ ایک مصنوعی وجہ کا اعلان کیا گیا اور پھر روایات نے اور بھی اس غیر حقیقی وجہ کو حقیقی بنا کر چمکایا اور اصلی وجہ پر پوری طرح پردہ ڈالا۔ کیونکہ روایات کا سرچشمہ تو پھر یہی جماعت بنی جس کی تشریح آگے آتی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ اس جماعت منافقین نے اپنا رسوخ تو صحابہ اور عام مسلمانوں میں خوب خوب قائم کیا اور اپنے ہر فرد کو ایک مخلص مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی مگر اندرون خانہ ابو لؤلؤ فیروز کے ہاتھوں امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظمؓ کو آخر شہید کرا چھوڑا۔

اب انتخاب خلیفۂ ثالث کے وقت ان منافقین قاتلہم اللہ فی الاخرۃ نے چاہا۔ کہ یہ موقع مسلمانوں میں انتشار ڈالنے کا ہے۔ اس وقت کچھ کرنا چاہیئے۔ حضرت عبیداللہ بن عمرؓ کے معاملہ میں کچھ اختلافی فضا پیدا کرانے کی کوشش بھی کی۔ مگر کوئی مفید راہ نہ نکلی اور حضرت امیر المؤمنین ذوالنورینؓ کی خلافت مستحکم ہو گئی۔

یہ ایرانی منافقین کی جماعت اس انتخاب کے وقت تو کوئی کامیاب فتنہ برپا نہ کر سکی۔ مگر اس نے اس انتخاب ہی کو اپنا مرکز فتنہ بنایا اور نوجوانان بنی ہاشم میں اس انتخاب کے خلاف نہایت دانش مندانہ ریشہ دوانی آہستہ آہستہ شروع کی۔ مگر دیکھا کہ مدینہ طیبہ میں ابھی فیض یافتگان صحبت رسول ﷺ کی کافی جماعت موجود ہے۔ اس لئے یہاں اگر سرگرمی زیادہ دکھائی تو مشتبہ ہو جائیں گے۔ اس لئے یہ جماعت مصر، عراق، شام، کوفہ

بصرہ اور مختلف مقامات میں منتشر ہوگئی اور وہاں انقلاب پیدا کرنے کی ریشہ دوانیاں اسی ایرانی قدیم اصول کے مطابق شروع کر دیں۔

ایران کا یہ دستور تھا کہ جب کبھی موجودہ حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کی ضرورت کسی شخص یا جماعت کو محسوس ہوئی۔ تو موجودہ سے پیشتر جو خاندان برسر اقتدار تھا۔ اسکے کسی ممتاز فرد کو لے کر اچھالتے تھے۔ اور عام پبلک میں اس کا پروپیگنڈا کرتے تھے کہ یہ حکومت موجودہ افراد نے اس کی اصلی مستحق اور حقیقی حقدار کے حق کو غصب کر کے حاصل کر لی ہے۔ اس حکومت کا اصلی حقدار یہی شخص ہے اور اس خود ساختہ حقدار کے فضائل و مناقب کا زبردست طور سے عوام میں خوب خوب اشتہار و اعلان کیا جاتا تھا اور موجودہ برسر اقتدار اشخاص کے قبائح و مثالب کی تشہیر کی جاتی تھی

بالکل اسی طرح یہ منافقین ایران میں دور دور مقامات اور قصبات و دیہات میں گھوم گھوم کر تو تعلیم دین و تبلیغ قرآن کے لئے پھرتے تھے۔ مگر اسکے ساتھ ساتھ موجودہ خلیفہ ثالث حضرت امیر المؤمنین ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے خلاف آہستہ آہستہ موقع موقع سے زہر افشانی بھی کرتے رہتے تھے اور کہتے کہ یہ خاندان بنوامیہ سے ہیں جب کہ خلافت کا حق خاندان بنو ہاشم کا ہے۔ کیونکہ پیغمبر انہی میں مبعوث ہوئے اور کہتے کہ ساری دنیا میں بادشاہ کے مرنے کے بعد اس کے خاندانی افراد کو اس کی سلطنت وراثت میں ملتی ہے۔ مگر یہاں دوسرے خاندانوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ لہٰذا ان غاصبوں سے چھین کر بنو ہاشم کے اصل نمائندے حضرت علی رضہ کو خلافت ملنی چاہیئے۔ غرض حضرت علی رضہ کو ان کے مقابل حق دار بنا کر دکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ خلافت کمیٹی نے انتخاب میں غداری سے (نعوذ باللہ) کام لیا۔ اسکے علاوہ حضرت علی رضہ کے فضائل و مناقب ضرورت اور واقعیت سے بہت زیادہ خوب بڑھا بڑھا کر بیان کرتے۔ قرآن پاک کی اکثر آیتوں کا مورد ان ہی کو ثابت کرتے اور ان کی شان میں جھوٹی جھوٹی حدیثیں گھڑ گھڑ کر لوگوں کو سناتے۔ وغیر ذالک

رفتہ رفتہ جہاں جہاں خاندان بنی امیہؓ کے افراد گورنر تھے۔ وہاں وہاں باقاعدہ

پلان کے تحت ہر ایک کے خلاف ریشہ دوانی شروع کر دی اور پھر مدینہ پہنچ کر اور ان مقامات بعیدہ سے وہاں کے مقامی لوگوں کو بھیج بھیج کر ان کے فرضی مظالم کی داستانیں مدینہ طیبہ میں سنانے اور سنوانے لگے اور شکایات بھی بارگاہِ خلافت میں مسلسل بھیجتے رہے ساتھ ہی بنی ہاشم کو ابھارتے رہے کہ چونکہ خلیفہ وقت خود بنی اُمیہ میں سے ہیں۔ اس لئے اپنی قرابت والے عمّال کی اس قدر شکایتیں سنتے ہیں اور پھر بھی کوئی صحیح انسداد نہیں کرتے حالانکہ حضرت امیرالمؤمنین ذوالنورین رضؓ شکایات کا حال پوری دریافت و تحقیق کے بعد خوب اچھی طرح سمجھتے تھے اور ان کو پتہ لگ گیا تھا کہ یہ سب مخالفین کی ریشہ دوانیاں ہیں، اسلئے وہ غلط شکایات پر کیا انسداد کرتے؟ اور اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ ان عمّال کو بدل دینے سے ریشہ دوانی ختم ہو جائے گی۔ تو وہ یہ بھی ضرور کر دیتے۔ مگر اس کے بعد تو اور بھی میدان صاف ہو جاتا ہے اور وہ ان مقامات میں جہاں ان عمّال کی وجہ سے کھل کر اپنا کام نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے ہٹا دیئے جانے کی وجہ سے اور کُھل کھیلتے۔ اسلئے وہ شکایتوں کی تحقیق کر کے ان کی بے بنیادی واضح کر دیتے تھے۔ ادھر بنی ہاشم کے خیالات ان منافقین کی ریشہ دوانیوں کے اثرات سے ان کی طرف سے خراب ہو جاتے تھے۔ [1] حتیٰ کہ حضرت علی رضؓ تک متاثر ہونے سے نہ بچ سکے۔

غرض تقریباً دس سال کی جدوجہد کے بعد یہ ایرانی منافقین کی جماعت مصر سے کچھ باغیوں کی ایک ٹولی کو مدینہ طیبہ بھیجنے میں کامیاب ہو گئی۔ جس نے مدینہ طیبہ میں بغاوت کا فتنہ برپا کیا اور حضرت امیرالمؤمنین ذوالنورین رضؓ کو شہید کر ڈالا۔ بنی ہاشم بدگمانیوں کے اثر سے متاثر تھے ہی۔ اگر شریکِ بغاوت سبب کے سبب نہ ہو سکے۔ تو فتنہ

---

[1] یہ پروپیگنڈے کی طاقت اچھے بھلے آدمی کو بھی مریض کر دیتی ہے۔ جیسا کہ مشہور ہے۔ بعض طلبا نے چھٹی کے لیے یہ پلان بنایا کہ مختلف مقامات پر کھڑے ہو کر مختلف الفاظ و انداز میں ماسٹر صاحب پر یہ ظاہر کیا جائے کہ ماسٹر صاحب کی طبیعت ناساز ہے۔ آخر ماسٹر صاحب سچ مچ کی حرارت محسوس کرنے لگے اور اسی ناسازیٔ طبع کی بناء پر وہ طلبا کو چھٹی دے کر آرام فرمانے گھر چلے گئے۔

پر دازوں کی مخالفت بھی نہ کی۔ ان کے علاوہ محمد بن اسماءؓ، اور محمد بن حذیفہ۔ جیسے دو ایک تو مستقل طور سے اس فتنہ میں شریک رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا فتنہ ان ہی ایرانی منافقین کا تھا۔ مگر مورخین نے ان ہی راویوں کی روایتوں کی بناء پر بعض غیر متعلق اکابر کے نام بھی متعلقین میں درج کر دیئے مگر یہ سب تاریخ کو صحیح مان لینے کے بعد ورنہ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

مجھے چونکہ ان واقعات کی تشریح اس وقت مطلوب نہیں۔ اسلئے زیادہ تفصیل وحوالہ جات سے پرہیز کرتے ہوئے اصل مقصد کیطرف آتا ہوں۔ اتنی طویل تمہید بھی ضرورت کی بناء پر ضمناً ہوگئی۔ ناظرین معاف فرمائیں۔

منافقین ایران کی جدوجہد کے نتائج بد

غرض یہ کہ حضرت امیرالمومنین ذوالنورین کی شہادت کے بعد جنگ صفین وجمل وغیرہ کے ہنگامے اور مسلمانوں کی خانہ جنگیاں، پھر امیرالمومنین حضرت علی رضؓ کو مدینہ طیبہ سے کوفہ کھینچ بلانا اور وہاں ان کو طرح طرح کی ایذائیں دینا۔ پھر انہیں بھی شہید کر ڈالنا۔ پھر حضرت حسن رضؓ کو امیرالمومنین حضرت معاویہ رضؓ سے لڑنے پر آمادہ کرنا۔ مگر ان کا نہ لڑنا اور مصالحت کر لینا اور اس جرم مصالحت کی سزا میں ان پر بھی قاتلانہ حملہ کرنا۔ اور پھر حضرت حسین رضؓ کو مدینہ طیبہ سے کوفہ سینکڑوں خطوط لکھ لکھ کر بلانا اور بلا کر غداری کرنا اور ان کو بھی شہید کر دینا۔ [۲] غرض یہ سب کچھ ان ایرانی منافقین نے کیا اور اس حد تک مسلسل جدوجہد اور مسلسل فتنہ کوشیوں کے ساتھ نہایت ہوش گوش سے کیا کہ اگر کوئی دوسری قوم ہوتی تو خدا جانے کب کی فنا ہوگئی ہوتی اور دنیا میں اس کا کہیں نام ونشان باقی نہ رہتا۔ مگر چونکہ مسلمان آخری امت اور دین محمدی آخری

[۱] حضرت ابوبکرؓ کی بیوی اسماء کے بطن سے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد ان اسماء سے حضرت علی رضؓ نے نکاح کر لیا تھا اسی وقت یہ محمد بن اسماء چند سال کے تھے۔ اسلئے ان کی تعلیم وتربیت حضرت علی رضؓ کی آغوش میں ہوئی۔ [۲] بعض مورخین کی تحقیق ہے کہ واقعہ کربلا درحقیقت ایک افسانہ ہے جس طرح حضرت عمر رضؓ پر الزام لگانے کے لئے کتب خانہ اسکندریہ جلانے کا واقعہ یا برصغیر کے مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے بلیک ہول کا واقعہ۔ ورنہ درحقیقت حضرت حسینؓ واقعہ کربلا سے آٹھ دس برس قبل قسطنطینیہ والی جنگ میں شہید ہوگئے تھے۔ وہاں ان کا مقام شہادت مقام حسین کے نام سے اب

[illegible]

دین اسلام ہے۔ اس کو قیامت تک رہنا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بچالیا۔ ورنہ ان منافقین نے کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی تھی۔

یہ منظر ان منافقین کے لئے بیحد باعث حیرت و استعجاب تھا کہ اصول پسند عجیب و غریب قوم ہے، اشخاص پرستی سے اس قدر پاک تو دنیا میں کوئی جماعت دیکھی ہی نہیں گئی۔ یہ فقط اصول جانتی ہے اور جان دینے کے لئے ہمہ دم تیار ہے۔ مگر حکم خدا کے مطابق۔ جب تک حکم خدا ثابت نہ ہو، اس وقت تک کیسا ہی عزیز ترین شخص کیوں نہ مارا جائے۔ یہ صبر کر کے رہ جائیں گے اور کبھی اپنے آپے سے باہر ہونگے

آخر کئی سال لگاتار جدوجہد اور پروپیگنڈے اور واقعات کربلا کی تصنیف کردہ مفصّل داستان ظلم کی کافی تبلیغ و اشاعت کے بعد توابین کے نام سے شیعوں کی ایک جماعت نے کچھ ہنگامہ برپا کیا، جس کی سربراہی مختار کذّاب کے ہاتھ میں تھی (اس نے جدید نبوّت کا بھی دعوٰی کیا تھا۔ مگر شیعیت بھی پوری طرح کامیاب نہیں ہوئی۔ لیکن بہر حال جوئندہ یابندہ۔ آخر ان ہی منافقین، ایران اور ان کے شاگرد ابن رشید کی ریشہ دوانیوں کی بدولت ایک مدّت دراز کے بعد ہی سہی۔ مسلمانوں میں باہمی خانہ جنگی شروع ہوگئی اور بالآخر دشمن کا پروپیگنڈا رنگ لایا اور ہاشمی و اموی کشمکش شروع ہوگئی جس کے نتیجہ میں خلافت اموی کا خاتمہ اور عباسی ہاشمیوں کی ابتدا ہوئی۔

قرآن چھین لینے کی جدوجہد

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان منافقین ایران نے اس کو اچھی طرح محسوس کر لیا کہ مسلمان ہزار آپس میں لڑیں مگر کبھی کمزور نہیں ہوسکتے۔ اس قوم کو کوئی ہزار مارنا چاہے۔ یہ قوم اس وقت تک کبھی نہیں مر سکتی۔ جب تک اس کے پاس قرآن موجود ہے۔ اس لئے جس طرح بھی ممکن ہو، اس قوم کے ہاتھ سے اسکے قرآن کو چھین لینا چاہیئے۔

مگر قرآن تو ہر مسلمان کے گھر میں موجود ہے۔ کیونکہ ہر گھر میں بوڑھا، بچہ، جوان عورت، مرد سب پڑھتے ہیں اور اگر ہر گھر میں نہیں، تو ہر محلہ میں متعدد حافظ

پورے قرآن کو اپنے سینہ میں محفوظ رکھنے والے موجود ہیں۔ اسلئے اس قوم سے قرآن کا چھین لینا تو محال تھا اور آج تک محال ہے اور قیامت تک محال رہے گا۔

تو اس دشواری کو محسوس کرتے ہوئے ایرانی منافقین اور ان کے شاگردان رشید نے یہ صورت نکالی کہ کسی طرح کوئی دوسری چیز ایسی ان مسلمانوں کے سامنے پیش کیجائے جو قرآن کا بدل ہو سکے اور اس کی اہمیت ان کے خواص پر نہ سہی، ان کے عوام ہی پر اتنی ثابت کی جائے کہ یہ لوگ قرآن سے زیادہ اس بدل قرآن کی طرف جھک پڑیں

آغاز روایات کا ذبہ روایات حدیث کا رواج حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضؓ کے بعد برسبیل تذکرہ محبّت و ذکر خیر عام طور سے ہونے لگا تھا۔ کیونکہ اب فاروق اعظم جیسا دور اندیش روک ٹوک کرنے والا کوئی نہیں رہا تھا۔ جس کی بات سب مان سکیں۔ اور انفرادی احتیاط بھلا کب تک قائم رہ سکتی تھی۔ صحابہ کرام احتیاط فرماتے بھی تھے تو کتنے ہی منافقین تابعی بن کر ان کی کبھی کبھی کی بیان کردہ روایات تو چاروں طرف پھیلا دیتے تھے تاکہ لوگوں کی توجہ ان زبانی روایات کی طرف زیادہ ہو۔ اور قرآن مجید سے توجہ ہٹے

پھر یہ منافقین ایران حضرت امیر المؤمنین علی رضؓ کے فضائل و مناقب کی جھوٹی روایتیں اور اہل بیت رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے معنی بدل کر فضائل اہل بیت کی روایتیں خوب خوب گھڑ گھڑ کر کوفہ، بصرہ، عراق و شام اور مصر وغیرہ میں کافی طور سے مشہور کر چکے تھے۔ قرآن پاک کی شان نزول کے متعلق من گھڑت روایتیں بنا بنا کر سینکڑوں آیتوں کا مورد حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضؓ کو قرار دے کر اچھی طرح شائع کر چکے تھے اور شخصیت پرستانہ مزاج کی وجہ سے لوگوں میں عموماً اور عجمی نومسلموں میں خصوصاً ان روایتوں کیطرف رجحان محسوس کر چکے تھے۔ بات آسانی سے ذہن میں آگئی کہ ان ہی روایات موضوعہ کے ذریعہ مسلمانوں کی توجہ قرآن پاک کی طرف سے پھیر کر ان کو روایات مختلفہ کے الجھاوے میں ڈال دینا چاہیئے اور ان ہی روایات کے ذریعے قران کو جس حد تک بھی ممکن ہو، ناقابل اعتبار، ناقابل فہم اور ناقابل

عمل بنا کر رکھ دینا چاہیئے اور طرح طرح کے اختلافات قرآنی، الفاظ اور معانی ڈال کر قرآن کو ان سے معطل و مہجور چھوڑوا دینا چاہیئے۔

یہ ایک ایسی کامیاب رائے اور ایسی کے مطابق کامیاب کوشش تھی کہ اگر واقعی اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے قرآن پاک کی حفاظت نہ لے لی ہوتی۔ تو کبھی قرآن پاک محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ کاش اس وقت وہ منافقین اور ان کے وہ تلامذہ ہوتے تو یقیناً ایمان لے آتے اور سچے دل سے مومن مسلم ہو جاتے کہ ان کی ساری مسلسل جدوجہد اور لگاتار ایسی خطرناک کوشش اور مسلمانوں کی پوری غفلت و سہل انگاری کے باوجود آج تک قرآن پاک اپنے اسی تواتر تام کے ساتھ ہر مسلمان کے گھر میں اور لاکھوں حافظوں کے سینوں میں محفوظ موجود ہے۔ اور اسی طرح موجود ہے جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت امت کے لئے چھوڑا۔ فالحمدُ للّٰہِ علیٰ ذالک

غرض ان منافقینِ ایران نے حضرت علی رضؓ و حضرت حسین رضؓ کی شہادت کے بعد سے خاص طور سے وضع احادیث کا مستقل کام شروع کر دیا اور روایتوں کا سلسلہ اتنے زبردست طریقے سے شروع کیا۔ کہ عوام مسلمین کی ساری توجہ ان ہی روایات کی طرف منعطف ہو گئی اور عوام کا رجحان دیکھ دیکھ کر متاخرین خواص بھی آخر ان کی طرف جھک پڑے۔ کچھ تو اسلئے کہ خربُزے کو دیکھ کر خربُزہ رنگ پکڑتا ہے۔ یہ منافقین ایران بھی تو عام طور سے اکابر اور تابعین ہی سمجھے جاتے تھے۔ ان کا اثر و رسوخ بھی تو عوام و خواص میں کچھ کم نہ تھا۔ اسلئے کوئی وجہ نہ تھی کہ ایک وہ جماعت جو بظاہر اکابر تابعین سمجھی جاتی ہے اور علم و فضل میں شہرت رکھتی ہے۔ وہ جس کام کو اتنے انہماک کے ساتھ دینی تبلیغ اور اسلامی اشاعت کے نام سے کرے۔ اور پھر عوام کا ایک کافی طبقہ ان کی طرف متوجہ نہ ہو۔ یہ سارے مناظر دیکھ کر بھی کیا کچھ اصاغر تابعین بھی "زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بہ ساز" پر عمل نہ کرتے؟ اسلئے کچھ بھولے بھالے کم عمر تابعین ان منافقین کے دھوکے میں اگر آ گئے ہوں، تو عجب کیا ہے؟ یا ممکن ہے کہ یہ بھی ان برا نہام ہی ہو۔ جب

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر جھوٹی روایتیں گھڑنے میں ان منافقین کو کچھ باک نہ ہوا تو ان کے تلامذہ کو کچھ تابعین پر تہمت لگانے اور ان کو بھی خواہ مخواہ اپنا شریک ثابت کر دینے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔

تبع تابعین کا خطرناک دور

بہر حال تبع تابعین کا نہایت خطرناک دور گذرا۔ کیونکہ یہ دور روایات حدیث کا عجیب بے پناہ دور تھا۔ جس کا جس سے جو جی چاہتا تھا۔ روایت کیا کرتا تھا۔ نہ روایات کی جانچ پڑتال تھی، نہ راویوں کی دیکھ بھال۔ جس شخص نے قال رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کہا اور سننے والے دوڑے، چاہے وہ کہنے والا کوئی بھی ہو۔ کوئی یہ بھی نہیں پوچھتا تھا کہ تم نے تو رسُول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم کا زمانہ پایا نہیں۔ پھر آخر کس سے سُنا؟ جس دیہات میں پہنچ کر جس نے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی رٹ لگائی اور اس کی آؤ بھگت شروع ہو گئی۔ اپنا اثر و رُسوخ جمانے کے لئے پہلے دس پانچ صحیح روایتیں بیان کیں یا ایسی باتیں کہیں، جو قرآن پاک کے مطابق ہوں۔ اسکے ساتھ ساتھ ایک آدھ روایت قرآن کے خلاف بھی کہہ دی، جس کی مخالفت زیادہ نمایاں نہ ہو۔ یعنی عوام جس کی مخالفت کو محسوس نہ کر سکیں اور جس کی کوئی تاویل بھی ہو سکے۔ اگر کسی نے کوئی اعتراض یا سوال کیا۔ تو استادانہ شان دکھاتے ہوئے کسی نہ کسی منطقی استدلال کے ساتھ تاویل پیش کر دی۔

روایات کی چھان بین

روایات کاذبہ کا یہ طوفان بے پایاں جو اُٹھا اور ذرا بھی تھمتا نظر نہ آیا تو آخر حضرت عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ جو خلفاء بنی امیہؔ ہی میں کے ایک فردِ فرید اور اسلام کے ایک خلیفۂ رشید تھے، اس فتنہ کو بڑھتے ہوا دیکھ کر بہت گھبرائے تھے۔ بنی امیہ میں کے ایک فرد، جن کے خلاف سینکڑوں طرح کی ریشہ دوانی جاری تھیں۔ اگر روایات کا بالکل سدِّ باب کر دیتے، تو صرف چند اکابر ہی ان کا ساتھ دیتے۔ سارے منافقین اور ان کے تلامذہ اور عوام جو روایات کے بے پایاں سمندر میں تیر رہے تھے سب

کے سبب ان کے خلاف ایک بارگی بغاوت کر بیٹھتے اور کوئی مفید نتیجہ بھی برآمد نہ ہوتا اسی لیے اس کے سوا کوئی اور چارہ کار انھیں نظر نہیں آیا کہ روایات کی جانچ پڑتال کے لیے روایات قلمبند کرنے کا حکم تمام ممالک میں نافذ کر دیا جائے تاکہ جو ذخیرہ روایات جمع ہو جائے۔ پھر اس کے علاوہ جو روایتیں کی جائیں۔ وہ ناقابل قبول قرار دیدی جائیں۔ کذابین و وضاعین کو کم سے کم اب آگے بڑھنے کا موقع نہ ملے، آئندہ کے لئے وضع سیلاب بند ہو جائے اور جمع شدہ مجموعہ روایات کی پوری جانچ پڑتال کے بعد صحیح اور موضوع روایات کو علیحدہ علیحدہ کر دیا جائے۔

مگر افسوس کہ امیرالمؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی عمر نے زیادہ وفا نہ کی، خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالے ابھی تین سال بھی نہ ہوئے تھے۔ کہ وہ دنیا سے رخصت ہو گئے اور یہ مہم ان کے عہد میں سَر نہ ہو سکی۔ لیکن خلیفۂ وقت کے حکم جمع و تدوین کا بہانہ راویان حدیث کو مل گیا۔ اور پھر ہر شخص کچھ نہ کچھ جمع کرنے لگا۔ مگر جانچ پڑتال کا صرف نام رہا۔ نہ کسی نے اس کا کوئی اصول بنایا۔ نہ واقعی اس کی کوشش کسی نے کی۔ ہر جامع روایات کی یہی کوشش تھی کہ سب سے زیادہ ذخیرہ میرے پاس جمع ہو اور سب سے زیادہ لوگوں سے میں روایت کروں اور سب سے زیادہ مجھ سے لوگ روایت کریں۔

جمع فقہ و جمع حدیث

بعض اکابر نے ابتداء میں ہر قسم کی احادیث کے جمع کرنے کے بجائے صرف قانونی (فقہی) احادیث کو جمع کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔ کیونکہ جمع فقہ کا مطلب یہ تھا کہ تعامل عہد نبوی و تعامل عہد خلفائے راشدین کو جمع کر لیا جائے اور حقیقتاً کام کی چیز یہی تھی۔ وہ دور روایات میں عن فلان و عن فلان کرنے کا یعنی عنعنہ کا نہ تھا۔ بلکہ ہر شخص فقط قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کہہ دیا کرتا تھا اور یہ کہہ کر ایک قول پیش کر دیتا تھا۔ اس لئے فقہاء نے جمع فقہ میں عنعنہ کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی۔ کیونکہ اس وقت تو عنعنہ کا رواج ہی نہیں ہوا تھا۔ مگر جب روایات کی جانچ پڑتال شروع ہوئی اور یہ پوچھا جانے لگا کہ تم نے یہ کس سے سنا اور انھوں نے کس سے سنا۔ تو مجبوراً راویان حدیث کو عنعنہ ایجاد کرنا پڑا۔ مگر فقہاء سے نہ کبھی یہ پوچھا گیا۔ نہ ان کو اس کی ضرورت پڑی،

کیونکہ یہ تو وہی باتیں لکھ رہے تھے۔ جو عمل در آمد میں تھیں جن کو ہر مسلمان جانتا تھا کسی کو ان باتوں کے صحیح ہونے میں اس وقت کچھ اشتباہ نہ تھا۔ بخلاف عام احادیث کے کہ ان روایات کے ذخائر میں ہزاروں باتیں تعامل کے خلاف تھیں۔ قرآن کے خلاف تھیں اور بیشمار روایتیں باہم بھی مختلف تھیں۔ اسلئے لوگوں کو یہ پوچھنے کی ضرورت پڑی کہ تم نے کس سے سنا اور انہوں نے کس سے سنا۔

مگر فقہاء کا ذخیرہ تو نہایت محدود ذخیرہ تھا جس سے روایت پرستوں کی سیری نہیں ہوتی تھی۔ نہ ان کے مقاصد حل ہوتے تھے۔ راویانِ حدیث نے خوب خوب پروپیگنڈا کیا۔ اور چونکہ ان کے مسائل کی بنیاد تعامل اُمّت پر تھی، اور منسوب الی الرسول اور منسوب الی الصحابہ روایات پر نہیں تھی

جو مسئلہ فقہا انہوں نے

لکھا، وہ بغیر عنعنہ کے لکھا اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی کی طرف اس کو منسوب نہیں کیا۔ اس لئے وہ سارے مسائل ان کے مخترعہ قرار دے کر ان پر ان کے اپنی طرف سے اختراع و احداث کا الزام دھر دیا گیا۔ اور اپنی موضوع اور من گھڑت روایات کو خاص رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل بنا کر عنعنہ کے ذریعہ مستند ثابت کر کے عوام پر یہ ثابت کیا کہ دیکھو، ہم تو حدیث رسول پیش کرتے ہیں اور یہ فقہاء اپنی رائے اور اپنا قیاس و اجتہاد حدیث رسول ؐ سے بہتر سمجھتے ہیں۔ بغرض ان وجوہ کی بناء پر تمام کمزور فقہاء نے مجبوراً پھر وہی راہ اختیار کر لی، جو راویانِ حدیث کی اور اپنی فقہ کی عمارت پر بھی ان ہی کی خود ساختہ روایات کا پُشتہ لگا دیا۔ یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ رح جیسے سچے اور خلفاءِ راشدین رض کے بالکل نقش قدم پر چلنے والے بزرگ کے بعض تلامذہ بھی ان کے بعد بھی روایات کے اس سیلاب میں بہہ گئے اور متاخرین تو بہت کافی بہکے' ور امام ابوحنیفہ رح کے صحیح اُصول پر قائم نہ رہ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کی کثیر جماعت امام ابوحنیفہ رح سے بیحد خفا رہی۔ یہاں تک کہ ان کو مرجیئہ، گمراہ اور کیا کیا کچھ نہ کہا، صرف اسلئے کہ ان کے نزدیک اصل اہمیت تعامل

کی تھی روایتوں کی یہ زیادہ پروا نہیں کرتے تھے۔

قرآن پاک پر روایات کے حملے

قرآن کے اثر کو روک دینے کے لئے
ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا۔ (اکبر الٰہ آبادی)

ان منافقینِ ایران نے قرآن پر روایات کے ذریعے مختلف طرح کے حملے کئے، جن کی مجملاً تشریح حسب ذیل ہے:۔

۱۔ جمع و تدوین یعنی مشہور یہ کیا کہ یہ قرآن پاک جو موجودہ ترتیب اور موجودہ ہیئت میں ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں اس طرح نہیں تھا۔ بلکہ بقول ان راویوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جنگ یمامہ میں ستر حفّاظ قرآن کی شہادت دیکھ کر حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رض نے بعہدِ خلافت صدیقی رض تقریباً ۱۲ھ میں یہ ضرورت محسوس کی کہ قرآن پاک کو کتابی صورت میں مجتمع کر لیا جائے۔ کیونکہ اس وقت تک قرآن پاک صرف حفّاظ کے سینوں ہی میں محفوظ تھا۔ ستر حافظ تو ایک جنگ ہی میں مارے گئے۔ اسی طرح اگر موجودہ حفّاظ سب کے سب شہید ہو گئے۔ تو پھر کہاں قرآن اور کہاں یہ امت؟ غرض حضرت فاروق اعظم رض نے جمع قرآن کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے حضرت امیر المؤمنین صدیق اکبر رض کو اس طرف متوجہ کیا۔ انہوں نے حضرت زید بن ثابت جو کاتبِ وحی بعہدِ نبوی آخر عہد میں تھے۔ ان کو آمادہ کیا اور پھر تمام صحابہ کرام سے ہڈی، تختی، ٹھیکری، لکڑی، چھال، پتّے اور کاغذ کے ٹکڑے جن پر انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن پاک کی آیتیں لکھ لکھ کر رکھی تھیں۔ حاصل کئے۔ سب کو ملا ملا کر، حافظوں سے تصدیق کرا کر قرآن پاک کو جمع کیا۔ اس وقت آخر سورۂ توبہ، لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ الخ خزیمہ یا ابوخزیمہ انصاری کے پاس ملا۔ غرض یہ ایک نسخہ قرآن کریم

مرتب ہو کر حضرت صدیق اکبر رضؓ کے پاس محفوظ رہا۔ ان کے بعد حضرت فاروق اعظم رضؓ کے پاس رہا۔ ان کے بعد امّ المؤمنین حضرت حفصہ رضؓ کے پاس چلا گیا اور وہیں ان کی زندگی تک رہا۔

پھر حضرت عثمان رضؓ کے عہد میں لوگوں نے قرآن پاک میں اختلافات ڈالنا شروع کیئے۔ حذیفہ ابن الیمان نے حضرت ذوالنّورین رضؓ کو پھر جمع قرآن کیطرف متوجہ کیا۔ انہوں نے حضرت حفصہ رضؓ کے ہاں سے مستعار وہ صحیفہ جمع کردہ حضرت صدّیق اکبر رضؓ منگوایا۔ اور اس کی متعدد نقلیں کرائیں اور حضرت امّ المؤمنین حفصہ رضؓ کے پاس ان کا مصحف واپس کر دیا۔ اسکے نقل کے وقت بھی حضرت زید بن ثابت کو سورۂ احزاب کی ایک یا دو آیتیں یاد آئیں، جو مصحف میں نہ تھیں۔ بڑی تلاش کے بعد ابو خزیمہ بن ثابت الانصاری کے پاس وہ آیت یعنی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ الخ جس کے بارے میں زید نے کہا کہ ہم یہ آیت اس جگہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم سے سنتے تھے۔ یہ نہیں کہا۔ میں پڑھتا تھا یا ہم لوگ پڑھتے تھے۔ غرض یہ کہ اب یہ آیت بھی اپنی جگہ پر لگا دی گئی

یہ دو روایتیں بیحد مشہور ہیں۔ اس لیئے ان ہی پر اکتفا کرتا ہوں، ورنہ غیر صحاح میں تو عجیب وغریب روایتیں بہت ساری ہیں۔ جن میں جمع و تدوین کے واقعات عجیب وغریب درج ہیں۔ اور دیکھنے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ یہ دونوں روایتیں صحاح میں حتیٰ کہ بخاری میں بھی ہیں۔

ان دونوں روایتوں سے آیتوں کی ترتیب، سورتوں کی ترتیب سب بعد کی ثابت ہوتی ہیں۔ ورنہ آیتوں کی تقدیم و تاخیر وغیرہ کا شبہ تو بہت آسانی سے پیدا کیا جا سکتا ہے اور پیدا کرنے والے پیدا کرتے ہیں۔ جن کی بناء پر صرف یہی روایتیں ہیں۔ میں نے جمع قرآن کے متعلق ساری روایتوں پر اور خصوصًا بخاری و ترمذی وغیرہ کی مذکورہ بالا دونوں روایتوں کی محدثانہ اصول ہی کے مطابق قابل دید تنقید کی ہے اللہ تعالےٰ توفیق دے کہ اسے چھپوا دوں۔ [1]

---

[1] لیکن تا تمامی یجیئنی اللہ کے فضل وکرم سے جمع قرآن کے نام سے ہم بھی شائع کر چکے ہیں۔ (ناشر)

۲۔ اختلافِ قراءت ایسی سینکڑوں روایتیں گھڑی گئیں کہ قرآن کی فلاں آیت میں فلاں لفظ اس طرح بھی ہے اور اس طرح بھی ہے اور اُس طرح بھی۔ مثلاً مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۔ مَلَّاكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بھی ہے اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بھی۔ اور پھر ان اختلافات کو درست ثابت کرنے کے لئے یہ حدیث بھی وضع کرلی گئی کہ اُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ یعنی قرآن سات لغتوں میں اتارا گیا۔ اور اس حدیث کو عجیب وغریب مضحکہ انگیز عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ ناسخ ومنسوخ ایک بہت بڑا فتنہ یہ پیدا کیا کہ قرآن پاک کی بعض آیتیں بعض دوسری آیتوں کی ناسخ ہیں جن کا صحیح علم بغیر روایات کی مدد کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسلئے قرآن تابع ہے اور روایات متبوع۔ قرآن محکوم ہے اور روایات حاکم۔ معاذ اللہ من ذالک۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ

اس موضوع پر بھی میرے متعدد مضامین رسالہ "اُصولِ خمسہ" میں (جو ایک مناظرہ کے سلسلہ میں "اخبار اتحاد" پٹنہ کے ساتھ بطور ضمیمہ کے شائع ہوا تھا) اور رسالہ "سادات" میں جو پھلواری ضلع پٹنہ سے شائع ہوتا تھا، چھپ چکے ہیں۔ مناظرہ اس پر ختم ہو گیا کہ میں نے مثبتین نسخ فی القرآن سے تین سوالات کئے۔ جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ قرآن پاک میں کتنی آیتیں قائلینِ نسخ کے نزدیک متفق علیہ ہیں۔ ان کی صحیح تعداد بتائیے۔

۲۔ کم سے کم پانچ آیتیں متفق منسوخ بطورِ مثال کے پیش کیجئے۔ جن کا نسخ آپ لوگوں کے نزدیک قطعی ہو۔

۳۔ منسوخ آیتوں پر عمل جائز ہوگا یا ناجائز؟

ان سوالات کے بعد ساری بحث ختم ہوگئی اور بڑے بڑے مناظرین دم بخود مبہوت رہ گئے اور پھر اس وقت تک کسی کا قلم نہ اٹھا۔

۴۔ شانِ نزول قرآن پاک کی اکثر آیتوں سے متعلق شانِ نزول کے نام سے

روایتیں گھڑ گھڑ کر اُن آیتوں کے صحیح مفہوم کو بدل دینے کی نامبارک کوششیں کی گئیں اور اس طرح تحریف معنوی کا ایک ذخیرہ جمع کر دیا گیا۔ مثلاً سورۂ احزاب میں آیۂ تطہیر اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِیۡرًا ه کو جو صاف صاف ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے۔ حضرت علی رضؓ، حضرت فاطمہ رضؓ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کی شان میں روایت کسا وضع کر کے بتا دیا۔ اور اس پر اس قدر اصرار ہے۔ اس صریح جھوٹی حدیث کو بعض سفہاء نے متواتر لکھ مارا۔ حالانکہ ان روایتوں کا ایک بھی سلسلۂ روایت ایسا نہیں، جو شیعوں یا کذابوں کے وجود سے خالی ہو اور قرآن پاک کے سیاق و سباق کی مخالفت تو سب سے بالا ہے

اسی طرح اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوا الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ رَاكِعُوۡنَ ه کے متعلق حضرت علی رضؓ کے رکوع کی حالت میں انگوٹھی ایک سائل کو دے دینے کی روایت وضع کر کے اس آیت سے حضرت علی رضؓ کی ولایت عامّہ و تامّہ ثابت کرنے کی گمراہ کن کوشش کی گئی

اور پھر انبیاء کرام علیہم السلام پر متعدد ناپاک حملے بھی ان ہی شان نزول والی روایتوں کے ذریعے کئے گئے۔ مثلاً حضرات ابوالبشر و اُمّ البشر آدم و حوا علیہما السلام کا نعوذ باللہ ارتکاب شرک کر لینا اور توبہ کا بھی ذکر نہ کرنا۔ وغیرہا من الروایات الشنیعہ

۵۔ تفسیری روایتیں بعض آیتوں سے متعلق بطور تفسیر کے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم سے یا بعض صحابہ سے روایتیں منسوب کر ڈالیں کہ آپ نے یہ تفسیر اس آیت کی بیان فرمائی۔ حالانکہ وہ تفسیر سیاق و سباق قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ سے اس سے پہلے کی دس سورتیں مُراد ہیں۔ لِّئَلَّا یَعۡلَمَ اَهۡلُ الۡكِتٰبِ سے مراد لکی یعلم ہے اور "لا" زائد ہے بِاَیۡدِیۡ سَفَرَةٍ ه كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ه میں سَفَرَةٍ سے مراد فرشتے ہیں۔ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ ه اور كِتٰبٍ مَّكۡنُوۡنٍ ایک تختہ ہے جو عرش کے دائیں جانب رکھا ہوا ہے اور تمام مَا كَانَ وَمَا یَكُوۡنُ سب اسی میں لکھا ہوا ہے۔ اسی کا نام لوح محفوظ ہے اور اسی کو

کِتَابٌ مکنون بھی کہا گیا ہے اور کِتَابٌ مَسْطُورٌ سے بھی وہی تختہ لوح محفوظ مراد ہے یا توریت مراد ہے۔ وغیرہا من الروایات الکثیرۃ الموضوعۃ

۶۔ واقعات موضوعہ بعض روایتیں ایسی وضع کر دی گئیں جن کا کوئی ایسا واقعہ بیان کر کے کسی آیت کے ساتھ جوڑ ملا دیا گیا کہ وہ آیت اپنے صحیح مفہوم کی طرف سے ہٹ کر کسی نئی بات کی طرف اس واقعہ کے دیکھ لینے والے ذہن کو پھیر دے۔ جو اس روایت کے وضع کرنے والے کا مقصد ہے۔ یا کم سے کم اس آیت کی اہمیت کم ہو جائے یا ناجائز طور سے بڑھ جائے یا منشا ہی میں تبدیلی واقع ہو جائے۔ مثلاً ہاروت و ماروت اور چاہ بابل و زہرہ وغیرہ کے واقعات پھر ایک ساحرہ عورت کا واقعہ جو ایک دوسری حاجت مند عورت کو چاہ بابل پر لے جا کر اس کی تعلیم سحر کا باعث ہوئی تھی۔ اور وہ عورت جو پھر توبہ کے لئے اپنی آخری عمر میں آمادہ ہوئی۔ تو اسکے لئے کوئی راہ نہ نکلی۔ مدینہ طیبہ پہنچی تو جناب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وفات فرما چکے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ، حضرت صدیق اکبر رضؓ اور تمام صحابہ کبار رضؓ نے بہت سوچا۔ مگر اسکے دوبارہ مومنہ ہونے کی کوئی شکل نہ نکلی۔ (دیکھیے مستدرک حاکم وغیرہ اور تفسیر عزیزی حضرت شاہ عبدالعزیز رحؒ)

۷۔ مکیّت و مدنیّت بعض سورتوں یا آیتوں کے مکی یا مدنی ہونے کا قطعیت کے ساتھ ایسا غلط فیصلہ کیا۔ جس سے تاریخی طور سے مطلب سمجھنے میں دھوکا ہو جائے۔ مثلاً سورۃ کوثر کو مکیۃ لکھ دیا۔ اسی طرح بعض مکّی سورتوں کی چند یا ایک آیت کو مدنی لکھ دیا۔ جو محض ایک ظنّی اور قیاسی رائے ہے، مگر اس بناء پر قطعی احکام صادر کرنے لگے اور لگے قطعی آیات کو ظنّی قیاس کا پابند کرنے۔

۸۔ تقدیم و تاخیر نزولی اسی طرح یہ روایتیں کہ فلاں سورۃ پہلے اترا۔ اور فلاں بعد کو اور پھر اسی بناء پر آیتوں کے صریح معانی میں تبدیلی و تغیر پیدا کرنے لگے۔ حالانکہ صریح معانی جو عبارت النص سے نکل رہے ہیں۔ قطعی ہیں۔ اور یہ تقدیم و تاخیر کی روایتیں ظنّی وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا۔

غرض اس قسم کے بہت سے اور بھی عنوانات قائم ہو سکتے ہیں۔ میں نے محض قلم برداشتہ سرسری طور سے یہ آٹھ عنوان بطور نمونہ کے پیش کئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان روایاتِ موضوعہ کے ذریعے قرآن پاک پر طرح طرح کے حملے کئے گئے۔ اور ہر ممکن کوشش پورے اہتمام کے ساتھ کی گئی کہ کسی طرح یہ کتاب مسلمانوں سے چھوٹ جائے اور معطل رہ جائے اور از کارِ رفتہ ہو جائے۔ چنانچہ واقعی قرآن پاک عام طور سے مسلمانوں سے چھوٹ گیا۔ اور معطل ہو گیا۔ علمائے مقلدین کو ہدایہ اور شرح وقایہ کافی ٹھہری۔ غیر مقلدین کو صحاح ستّہ سے فرصت نہیں۔ صوفیوں کو مکتوبات اور ملفوظات سے بڑھ کر کسی کی بھی ضرورت نہیں۔ قرآن پاک صرف اس کام کے لئے ہے کہ اسے بے معنی و مطلب صرف رمضان میں یا روزانہ ہی سہی کچھ ورق پڑھ لیا جائے اور یہ بے سمجھے پڑھنے والے بھی مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ دو تین فیصد ہیں ورنہ عام لوگوں کے لئے تو اس کا مصرف، فقط یہی ہے کہ کبھی اسے بطور عملیات و تسخیر جنات کے پڑھ لیا جائے۔ یا کسی کے مرنے پر ایصال ثواب کے لئے یا اس کا تعویذ بنا کر گلے میں لٹکانے کے لئے۔

وفائے وعدۂ حفاظت قرآن

مگر حقیقت یہ ہے کہ اتنے شدید اور ایسے دیرپا حملوں اور ہر طرف سے حملوں کے باوجود قرآن پاک کا اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ ہر تغیّر و تبدّل سے قطعی طور سے محفوظ رہنا۔ اور معجز نما تواتر کے ساتھ ساری دنیا کے مسلمانوں میں بلا اختلاف ایک حیثیت سے ایک قراءت سے، ایک رسم خط سے موجود رہنا اور اس طرح خود قرآن پاک کا اور قرآن پاک کی ہدایتوں کا دنیا کے ہر گوشے میں پہنچ جانا اور ان لوگوں کو جو اس سے دور پڑے ہوئے ہیں۔ پکار پکار کر اپنے قریب بلانا۔ وہ یہ باتیں ہیں۔ جو اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ہ کے وعدہ صادقہ کو بآوازِ بلند سارے عالم کو یاد دلا رہی ہیں۔ اور لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ کی شان

بلند کا چار دانگ عالم میں اعلان کر رہی ہیں۔ پھر کون ہے جس کے دل میں ایمان کا ایک ذرّہ بھی ہو۔ اور ذَالِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ سن کر سرِ تسلیم خم نہ کرے۔ قُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ۔

عام راویانِ حدیث

اسماءُ الرّجال کی کتابوں کا مطالعہ بغور کیجیئے تو آپ کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ کم سے کم پچاس فیصدی راوی عجمی ہیں اور باقی پچاس فیصدی میں سے بھی اسّی فیصدی غیر حجازی یعنے کوفی، بصری، شامی، عراقی وغیرہ۔ جن میں روافض، خوارج، قدریے، جبریئے معتزلے۔ غرض ہر فرقے کے لوگ کثرت سے موجود نظر آئیں گے۔ جن میں اکثر ان ہی منافقین ان کے ذرّیات یا تلامذہ یا فیض یافتگانِ صحبت ہی ملیں گے۔

مخلص راویانِ حدیث

اسی جماعت میں بعض مخلص اور سچے راویان حدیث بھی ہیں۔ جن کو ان کاذبوں اور وضّاعوں کے جھٹلانے کے لئے یا تعامل عہدِ نبوی و عہدِ خلفاءِ راشدین کا صحیح حال بتانے کے لئے صحیح روایت کرنے کی ضرورت پڑی، کیونکہ اگر دنیا میں جھوٹی روایتوں ہی کا رواج چھوڑ دیا جاتا۔ اور ان کذّابوں اور وضاعوں کے ہاتھ میں عامۃ المسلمین کو رہنے دیا جاتا۔ تو پھر آگے چل کر امّت مُسلمہ حق و باطل کا کوئی فیصلہ نہ کر سکتی۔ اس لئے یہ مخلصین خاموش نہ بیٹھ سکے۔ اور جتنا بھر جانتے تھے صحیح روایتیں بیان کرنے لگے اور جھوٹوں کو جھٹلانے لگے۔ پھر اسماء الرجال کا ذخیرہ جمع کرنے لگے جس میں ان کذابوں اور وضاعوں کا پوشیدہ حال تحقیق کر کے لکھنے لگے۔ تاکہ ان کی روایتوں سے آگے چل کر مسلمان دھوکہ نہ کھائیں اور حق و باطل کی تمیز کر سکیں۔ تنقید روایات کے اصول بنائے اور حتیٰ الوسع خود بھی ان اُصول پر عمل کیا اور تلامذہ کو بھی ان اصول پر عمل کرنے کی تاکید کی۔ فجزاہم اللّٰہ خیر الجزاء

فتنۂ روایات اور بعض راویانِ حدیث

امام شعبہ رح نے حضرت سفیان ثوری رح سے فرمایا تھا۔

کلما تقدمتم فی الحدیث	یعنی تم لوگ جس قدر حدیثوں کیطرف
تأخرتم عن القرآن	آگے بڑھتے جاؤ گے۔ قرآن پاک سے
وددت ان الون وقادا	اسی قدر پیچھے دُور ہوتے جاؤ گے۔
الحمام ولما اعرف الحدیث	کاش میں حدیث نہ جانتا اور حمام
	کا ایندھن جلانے والا ہوتا۔

راویانِ حدیث پر امام شعبہ رح کی یہ پیشین گوئی اسقدر صحیح اُتری کہ پہلے تو اس جماعت کے بعض افراد میں قرآن پاک کیطرف سے بے اعتنائی ہونے لگی پھر رفتہ رفتہ بے خبری۔ یہاں تک کہ بعض میں تو بغض و عناد تک کا اثر ہوگیا۔

عام ناظرین عموماً اور طبقۂ پرستارانِ روایات خصوصاً بغض و عناد کے لفظ سے گھبرائیں گے۔ مگر فلسفۂ نفسیات سے باخبر حضرات الانسان حریص علے ما منع کے اصول سے خوب واقف ہیں۔ قرآن پاک کے ساتھ شغف رکھنے والوں نے جب روایات پرستوں کو روایات سے روک کر قرآن پاک کیطرف انہیں متوجہ رہنے پر اصرار کیا تو ان کی ضد نے انہیں روایات پر مصر ہونے اور قرآن پاک سے متوحش رہنے پر مجبور کر دیا۔ یہاں تک کہ جب جمع روایت کو اہل حق نے باعث ضلالت اور بدعت کہنا شروع کیا۔ تو صرف جمع روایات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اس مفہوم کی روایتیں بنا بنا کر مشہور کیں کہ قرآن پاک بھی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد عہدِ صدیقی و فاروقی و عثمانی میں جمع ہوا۔ اور جس طرح ہم لوگ روایات کی سند ڈھونڈھتے ہیں۔ اسی طرح جمع آیات وسُور میں بھی خلفاءِ راشدین رض نے سندیں طلب کی تھیں اور اگر روایات میں

شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ تو پھر بعض آیات کے متعلق بھی تو جمع قرآن کے وقت شکوک پیدا ہو گئے تھے جس کی فلاں فلاں روایتیں ہیں۔

غرض اسی طرح بیسیوں روایتیں جمع قرآن کے متعلق اپنے جی سے گھڑ گھڑ کر مشہور کیں اور اپنی تصنیفوں میں درج کر کے خوب خوب شائع کیں۔ یہاں تک کہ دوسرے مصنّفین کی کتابوں میں بھی ایسی ایسی روایتیں داخل کر دیں۔ ہم نے اس مضمون کے پہلے نمبر میں فتنۂ روایات کا پس منظر مختصراً بتلانے کی کوشش کی تھی۔

اس کے دیکھنے سے یہ معلوم ہو جائے گا۔ کہ روایات کی ابتداء محض دین کو تفریق و انتشار میں گم کر دینے کی نیت سے ایران کے منافقین نے کی اور روایات کو وحی اور قرآن پاک کے مدمقابل سب سے پہلے اسی جماعت نے بنا کر نام مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ ان کا تو مقصود ہی یہی تھا کہ کسی طرح مسلمانوں سے قرآن پاک کو چھوڑوا دیں اور قرآن پاک سے پھیر کر ان کا رُخ ان روایات کیطرف پھیر دیں اسلئے انہوں نے قرآن پاک کو مشتبہ کر دینے والی روایتیں خوب خوب وضع کیں۔

ان کے بعد ان کے چیلے ان ہی کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ ان چیلوں میں سے بعض تو اپنے اساتذہ سے بھی بڑھ گئے اور بڑھنے کا موقع بھی تھا۔ کیونکہ اساتذہ کے وقت میں بعض صحابہ کرام موجود تھے۔ صحابہ کرام ؓ کے سامنے زیادہ جھوٹ بولنے کا موقع کم تھا اور تلامذہ کے عہد میں صحابہ ؓ باقی نہ رہے۔ اسلئے جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھتا رہا۔ ان کے ذریات کذب و افتراء میں تیز ہوتے گئے۔

ان منافق اساتذہ کے بعض ذرّیات تو اپنے اساتذہ ہی کی طرح واقعتہً منافق تھے۔ لیکن زیادہ تر سیدھے سادے مسلمان ہی تھے۔ جو اپنے اساتذہ کو تابعی و تبع تابعی سمجھ کر ان کے ساتھ حُسنِ عقیدت رکھتے تھے اور ان اساتذہ کے ہر کذب و افتراء پر ایمان بالغیب لے آتے رہے۔ کہیں کچھ شبہ پیدا بھی ہوا تو تاویلات کے ذریعہ اپنے دل کی تشفی کر لی۔

مُشتے نمونہ از خروارے

اب ہم مثال کے طور سے ایک ایسے راوی حدیث کا حال بیان کرتے ہیں جو روایت حدیث میں تو ایک معقول پایہ رکھتے ہیں۔ مگر قرآن پاک کے ساتھ ان کا برتاؤ بالکل غیر مسلمانہ رہا۔ دیکھئے اور عبرت پکڑیئے۔

عثمان بن ابی شیبہ۔ ان کو عثمان بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن خوستی (یا خواستی واؤ معدولہ سے) العبسی ابو الحسن بن ابی شیبہ الکوفی کہتے ہیں۔ ان کی مسند (ذخیرۂ روایات) اور تفسیر مشہور ہے۔ ترمذی و نسائی کے سوا جماعت ائمۂ حدیث ان سے روایت کرتی ہے۔ بخاری میں ان سے ۵۳ روایتیں اور مسلم میں ۱۳۵ ہیں۔

امام محمد بن ادریس ابو حاتم الرازی فرماتے ہیں کہ کسی نے ان کے سامنے شیخ البخاری محمد بن عبداللہ بن نمیر سے عثمان بن شیبہ کے بارے میں پوچھا۔ تو انہوں نے فرمایا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَمِثْلُہٗ یُسْاَلُ عَنْہُ یعنے: سبحان اللہ! ایسے شخص کے متعلق بھی کچھ پوچھا جاتا ہے؟ ابن ابی حاتم ان کے متعلق اپنے والد بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ بہت سچے آدمی تھے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ محمد بن حمید الرازی اور عثمان بن ابی شیبہ دونوں ثقہ ہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ ان میں سے کون زیادہ آپ کو محبوب ہیں۔ تو فرمایا کہ دونوں ثقہ ہیں، دونوں امین ہیں، دونوں مامون ہیں۔ ایک دوسرے شخص سے کہا کہ ابو بکر بن ابی شیبہ اور عثمان بن ابی شیبہ دونوں ثقہ ہیں۔ سچے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں۔

مگر امام دارقطنی اپنی کتاب التصحیف میں ابو القاسم بن کاس سے اور وہ ابراہیم الخصاف سے روایت کرتے ہیں کہ عثمان بن ابی شیبہ نے اپنی تفسیر ہم لوگوں کے سامنے پڑھی، تو (سورۂ یوسف) پڑھا۔ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السَّفِينَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ [1] تو لوگوں نے کہا کہ قرآن میں جَعَلَ السِّقَايَةَ ہے تو عثمان بن

---

[1] آیت کے اصل معنی یہ ہیں۔ جب ان کا سامان تیار کرا دیا تو اپنے بھائی کے سامان میں گلاس رکھوا دیا۔ عثمان بن ابی شیبہ نے سقایہ (گلاس) کے بجائے سفینہ (جہاز) پڑھا۔ معنی یہ ہوئے کہ اپنے بھائی کے سامان میں

ابی شیبہ نے کہا کہ میں اور میرا بھائی (یعنی ابوبکر بن ابی شیبہ) عاصم کی قراءت نہیں پڑھتے۔ [1]

اسی کتاب میں امام دارقطنی احمد بن کامل سے اور وہ حسن بن حباب المقری سے روایت کرتے ہیں کہ عثمان بن ابی شیبہ نے اپنی تفسیر میں ان کے سامنے پڑھا۔ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ٥ کو اَلَمْ تَرَ (یعنی الف، لام، میم، تا، را) کو حروف مقطعات بنا دیا۔

اسی کتاب میں یہ بھی مروی ہے کہ سورہ بقرہ میں جو [2] وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْکِ سُلَیْمٰنَ ہے اس کو بن ابی شیبہ وَاتَّبِعُوْا بکسر الباء پڑھتے تھے یعنی بصیغۂ امر۔

اتنا تو علامہ ابن حجر عسقلانی رح نے تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۱۵۱ میں لکھا ہے اور خلاصۃ التہذیب ص ۲۶۲ میں ابن عبد العزیز الخزرجی نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ خ م د س ق یعنی ان سے بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایتیں لی ہیں اور لکھا ہے کہ یحییٰ ابن معین نے ان کو ثقہ و امین اور ابوحاتم نے انہیں صدوق کہا ہے مگر امام احمد بن حنبل رح نے ان کی کچھ روایتوں کو منکر قرار دیا ہے۔ پھر لکھتے ہیں وکان یصحّف فی القرآن یعنی: یہ قرآن پاک میں تصحیف کیا کرتے تھے۔ اور یہ بھی لکھا ہے۔ وَقِیْلَ کَانَ لَایحفظہٗ یعنے ان کی براءت کے لئے یہ تاویل بعضوں نے کی ہے کہ قرآن یہ یاد نہیں رکھتے تھے۔ اسلئے ایسی غلطی ہو جایا کرتی تھی۔

---

[1] اس سے شبہ ہوتا ہے کہ جَعَلَ السِّقَایَۃَ فِی رَحْلِ اَخِیْہِ صرف عاصم کی قراءت میں ہے اور باقی قاریوں کی قراءت جعل السفینۃ ہے۔ حالانکہ جعل السفینۃ کسی کی بھی قراءت نہیں۔ ماہرین قراءت اس کی شہادت دے سکتے ہیں ۔ تمنا۔

[2] بنی اسرائیل کی برائیاں گنواتے ہوئے قرآن مجید نے ان کی ایک برائی یہ گنوائی ہے کہ وَاتَّبَعُوْا اور لگے ان چیزوں کی پیروی کرنے جو شیاطین، سلیمان کی سلطنت کا نام لے کر پیش کیا کرتے تھے مگر یہ ابن ابی شیبہ کہتا تھا کہ آیت یوں نہیں بلکہ یوں ہے کہ واتبعوا الخ یعنی نعوذ باللہ تم کو چاہیئے کہ تم ان چیزوں کی پیروی کرو۔ جو شیاطین، سلیمان کی سلطنت کا نام لے کر پیش کیا کرتے تھے۔ (۲/۱۰۲)

امام ذہبی رح میزان الاعتدال صلا۱۸ جلد ۲ میں اُن کے متعلق لکھتے ہیں :-

لَمْ یحك مِنْ اَحَدٍ من المحدّثین من التصحیف فی القرآنِ الکریمِ اکثر مِمَّا حُکِیَ عن عثمان بن ابی شیبة وقرأ : فضُرِبَ بَیْنَھم بسنّور لَہٗ ناب ؛ واذا قِیل فقال قراءة حَمْزة عندنا بدعة یعنی: قرآن پاک میں تصحیفات کی حکایتیں جتنی عثمان بن ابی شیبہ سے بیان کی گئی ہیں۔ ان سے زیادہ کسی محدّث سے بھی نہیں بیان کی گئیں۔ (گویا بعض دوسرے بھی ہیں گو ان سے کم ابن ابی شیبہ سورۃ الحدید کی اس آیت

فَضُرِبَ بَیْنَھُمْ بِسُوْرٍ لَّہٗ بَابٌ ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی گئی جس میں ایک دروازہ تھا۔ کو بِسِنَّوْرٍ لَّہٗ نَابٌ پڑھا کرتے تھے جس کے معنے یہ ہیں کہ ان کے درمیان ایک بلی کھڑی کر دی گئی، جس کے ایک دم تھی۔) اور جب ٹوکا گیا تو بولے حمزہ کی قراءت ہمارے نزدیک بدعت ہے۔ اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حمزہ کے سوا باقی سارے قراء بسنّور لہٗ ناب پڑھتے تھے۔ حالانکہ دنیاءِ قراءت میں یہ کسی کی قراءت نہیں اور نہ کسی صاحبِ عقل و دین کی یہ قراءت ممکن ہے۔ عربی دان حضرات وَاتَّبَعُوا کی جگہ وَاتَّبِعُوا اور بِسُوْرٍ لَّہٗ باب کے عوض بِسِنَّوْرٍ لَّہٗ نَابٌ کے معنی کو سمجھیں اور انصاف سے کہیں کہ یہ قرآن پاک کے ساتھ ٹھٹھا اور استہزاء ہے یا نہیں؟ کیا کسی مسلم سے ایسی توقع ممکن ہے۔

(فتنۂ روایات کے متعلق اس مختصر تمہید کے بعد اب آپ حدیث و سیرت کے مدوّن اوّل ابن شہاب زہری کے متعلق مضمون ملاحظہ فرمایئے۔ یہ مضمون جب پہلی مرتبہ شائع ہوا تھا تو اس پر اہلِ حدیث حضرات کی طرف سے کچھ اعتراضات ہوئے تھے علامہ تمنا نے اس پر بھی تبصرہ کیا ہے۔ پہلے وہ تبصرہ پھر اصل مضمون ملاحظہ ہو۔)

ابن شہاب زہری کا شجرۂ نسب

ابن شہاب زہری پر میرا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس سے مقصد صرف ان کی روایتی کمزوریاں دکھانی تھیں اور یہ ثابت کرنا تھا کہ ان کی روایتیں قابل اعتماد نہیں ہوسکتیں۔ جب تک کوئی دوسری دلیل ان کی کسی حدیث کو معتمد علیہ ثابت نہ کرے۔ چنانچہ ہم نے خود محدثین کے اقوال سے معہ سند و حوالۂ کتب ثابت کر دیا کہ یہ مُرسل حدیثیں بہت زیادہ روایت کیا کرتے تھے اور ایسے ایسے مجہول لوگوں سے روایت کرتے تھے۔ جن کو ان کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اور بعض ایسے لوگوں سے بھی روایت کرتے تھے۔ جن سے ان کا سماع حدیث ثابت نہیں۔ ان لوگوں سے بھی جو ان کے بچپن ہی میں بلکہ ان کی ولادت سے بھی پہلے وفات پا چکے تھے۔ اس لئے ان کی مُرسل حدیثیں بمنزلہ ریح سمجھی جاتی تھیں

اور یہ مدلس بھی تھے اور ان کی تدلیس بدترین قسم کی تدلیس ہوا کرتی تھی۔ اور تدلیس ایک طرح کا کذب ہے۔ اور یہ سب باتیں بعض اکابر محدثین ہی کے اقوال سے معہ حوالہ کتب و صفحات لکھی گئی ہیں۔

پھر ان کے تشیّع کے بھی قرائن ہیں کہ از رُوئے تقیہ سنّیوں میں سنّی بنے ہوئے تھے۔ اور شیعوں میں شیعہ ہی رہے۔

ان تمام باتوں میں سے جہاں تک مجھ کو علم ہے۔ اس وقت تک کسی نے بھی کوئی جواب نہ دیا۔ اور دے بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ ہم نے کوئی بات اپنی طرف سے نہیں لکھی ہے۔ محدثین ہی کے اقوال انہیں کی کتابوں کے حوالے سے پیش کر دئیے ہیں۔ ابن شہاب زہری، عبدالملک بن مروان اور ان کے بیٹوں خلفاءِ بنو امیّہ کے زمانے میں دربار کے حاضر باشوں میں رہ گئے اور پھر سرکاری قاضی

بھی رہے ۔ (مرآۃ الجنان ج ۱ ص ۲۶۲) میں نے ان باتوں کا ذکر اس مضمون میں نہیں کیا کیونکہ مقصود اُن کی توہین و تذلیل نہ تھی۔ بلکہ ان کی روایتی وثاقت و عدم وثاقت ظاہر کر دینے سے کام تھا۔

مگر چونکہ یہ "زہری" کہے جاتے ہیں اور محدثین و مؤرخین ان کو بنی زہرہ لکھتے ہیں۔ اسلئے میں نے اس کی بھی کرید کی۔ پھر بنی زہرہ قریشی قرار دیئے جانے کی وجہ سے لوگ ان کو مدنی بھی لکھتے ہیں۔ میں نے ان باتوں کی بھی تحقیق کی کہ یہ واقعی زہری قریشی اور مدنی ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ ان کے وطن کے متعلق جہاں تک پتہ ملا کہ یہ شامی تھے۔ ایلہ کے رہنے والے۔ ایلہ بستی تھی۔ شام کی سرحد اسی سے شروع ہوتی تھی۔ اسکے بعد حجاز کی سرحد ملتی تھی۔ وہاں یہ اپنا کاروبار کرتے تھے میں نے اس کا ثبوت کتاب کے حوالے سے دیا جس کی تردید ہو نہیں سکتی۔ درحقیقت یہی ان کا آبائی وطن تھا۔

مگر چونکہ عام روایت پرستوں کے خرمن عقیدت پر میرے اس مضمون سے بجلی گر گئی تھی۔ ان میں میرے خلاف غیظ و غضب کا ایک جوش تھا۔ رہا اور رہے لیکن کسی کے بس میں نہیں ہے کہ میری کسی بات کی بھی تردید کر سکے۔ کچھ لوگ لے دے کر زہری کے شجرۂ نسب کو محاذ جنگ بنا کر میدان میں آ دھمکے۔ میں نے بنی زہرہ کا نہایت وسیع شجرۂ نسب لکھ دیا ہے جس کی مثال ان رُوات پرستوں کو خواب میں بھی نظر نہ آئی ہوگی۔ پھر میرے پیش کئے ہوئے شجرۂ نسب کو وہ غلط بھی نہیں کہہ سکتے۔ اسلئے ان لوگوں نے یہ صورت نکالی۔ کہ محدثین و مؤرخین نے جو لکھا ہے۔ اسی کو بار بار پیش کر کے مجھ کو کم علم یا کوتاہ نظر اور

۱؎ عام طور سے لوگ ثقاہت بولتے اور لکھتے ہیں۔ بعض اہل علم کی تحریروں میں بھی "ثقاہت" کا لفظ دیکھا ہے جو غلط ہے۔ ثقہ سے ثقاہت عوام نے مصدر بنا لیا۔ ثقہ کا صحیح مصدر "وثاقت" ہی ہے۔ تمنا غفرلہ

لوگوں کے سامنے غلط گو ثابت کریں اور صرف اسی ایک بات کو غلط ثابت کر کے عوام پر ثابت کریں کہ پورا مضمون اسی طرح غلط ہے۔

میں مدت سے سُن تو رہا تھا کہ اہل حدیث فرقے کے بعض پرچوں میں ابن شہاب زہری کے نسب پر مضامین نکلے ہیں۔ مجھ تک کوئی پرچہ نہیں پہنچا۔ میں نے کوئی کد نہیں کی کہ اچھا ابن شہاب موالی بنی زہرہ نہ سہی خالص زہری ہمہ تن قریشی اور سراپا مدنی سہی۔ مگر مرسل روایت کے خوگر تھے۔ مدلس اور بدترین مدلس تھے۔ وغیرہ وغیرہ الزامات جو اُن پر ہیں اگر یہ سارے الزامات صحیح ہیں اور نہیں رفع ہو سکتے تو کیا صرف ان کا زہری، قریشی اور مدنی ہونا ان کو ثقہ و حجت و سند بنا دے گا۔ یہ لوگ اتنا نہیں سوچتے۔

ابھی میرے ایک عزیز دوست نے صحیفۂ اہلحدیث کراچی کا حدیث نمبر بابت ۱۳۷۱ھ بمطابق ۱۹۵۲ء میرے پاس بھیج کر مولانا عبداللہ صاحب لائل پوری کے مضمون "امام زہری کا شجرۂ نسب" کی طرف مجھ کو متوجہ کیا ہے۔ یہ مضمون شاید الاعتصام گوجرانوالہ میں بھی اس سے پہلے یا بعد کو چھپا ہے۔ بس اسکے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔

صاحب مضمون نے زہری کے آباؤ و اجداد کا شجرہ، پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا پدری شجرہ پھر مادری شجرہ لکھ کر بظاہر داد تحقیق دی ہے۔ اسکے بعد زہرہ کا شجرہ پیش کیا ہے۔ پہلے تینوں شجروں سے کوئی بحث نہیں۔ کیونکہ ان تینوں شجروں سے زہری کو کوئی سروکار نہیں۔ باقی رہا خاص زہرہ کا شجرہ جن کے دو بیٹے تھے عبدمناف اور حارث یہاں تک تو موصوف مجھ سے متفق ہیں۔

عبدمناف کا وہ صرف ایک ہی بیٹا وہب کو قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ ابن خلدون نے لکھا ہے جس کو میں نے بھی اپنے مقالے میں پیش کیا ہے۔ مگر بعد کو میں نے علماءِ انساب و محدثین کی تحریروں سے ثابت کیا ہے کہ عبدمناف کے دو بیٹے تھے۔ وہب اور اُہیب۔ وہب کی ایک بیٹی جناب آمنہ والدہ ماجدہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تھیں۔ اور ایک بیٹے عبدیغوث تھے۔ عبدیغوث کے تین بیٹے

ارقم، اسود اور خلف تھے۔ ارقم کے بیٹے عبداللہ، اسود کے بیٹے عبدالرحمٰن اور خلف کے بیٹے کا نام بھی اسود ہی تھا۔

عبداللہ صاحب نے ابن خلدون کا اتباع کرکے عبدمناف کا ایک ہی بیٹا وہب کو قرار دے کر وہب ہی کے تین بیٹے مالک، نوفل اور عبدیغوث کو قرار دے دیئے۔ یہاں تک ہوتا تو سمجھا جاتا کہ انہوں نے استیعاب اور لسان المیزان وغیرہ کتابوں پر نظر نہیں ڈالی ہے۔ صرف ابن خلدون ہی تک ان کی نظر محدود تھی۔ اسلئے وہی غلطی یہ بھی کر گئے جو ابن خلدون سے ہوئی۔

مگر موصوف نے کمال یہ کیا کہ ابووقاص کو مالک کا بیٹا قرار دیا اور دونوں کو دو شخصیتیں سمجھے۔ حالانکہ دونوں ایک تھے۔ مالک ہی کی کنیت ابووقاص تھی۔ اور مالک ابووقاص کے بیٹے وقاص کا نام ہی غائب کر دیا۔

پھر حارث کی شاخ میں بھی ایک نام چھوڑ دیا یعنی حارث کے بیٹے عبد۔ اور عبد کے بیٹے عبدعوف کا نام نکال پھینکا ہے۔ اور عبد ہی کا بیٹا عوف کو قرار دیا ہے۔ کم سے کم استیعاب ہی میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضہ کے حالات دیکھ لئے ہوتے تو دونوں کے صحیح شجرۂ نسب ان کو معلوم ہو جاتے۔

اس کے بعد حارث کے منہ بولے بیٹے عبداللہ کا شجرۂ نسب نقل کیا ہے یہ کوئی نیا شجرۂ نسب نہیں ہے۔ یہ وہی شجرۂ مصنوعہ ہے جس کو میں نے خود اسی بڑے شجرے میں درج کر دیا ہے۔ مگر اس شجرے کو میں نے ایک فرضی، مصنوعی اور بوگس شجرہ قرار دیا ہے۔ اور شروع میں لکھ دیا ہے کہ محدثین و آئمۂ رجال زہری کا سلسلۂ نسب حسب تصریح ذیل لکھتے ہیں۔ محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب بن عبداللہ بن حارث بن زہرہ الخ

توجب ہم خود مضمون کو شروع ہی مذکور بالا عبارت سے کر رہے ہیں اور اسکے بعد دلائل سے اس کی تردید کر رہے ہیں۔ پھر بھی ہمارے سامنے محدثین اور آئمہ

رجال کے لکھے ہوئے اس شجرۂ نسب کا پیش کرنا کیسا کھلا مصادرہ علی المطلوب ہے۔ ہمارا تو اعتراض ہی انہیں محدثین وائمۂ رجال پر ہے۔ ہم تو اس شجرۂ نسب ہی کو مصنوعی اور جعلی قرار دے رہے ہیں اور اپنے اس دعوے کے دلائل پیش کر رہے ہیں۔ ہمارے دلائل کا جواب تو دیا نہیں جاتا۔ اور جو لوگ ہمارے مدعا علیہ ہیں، ان کے وہی اقوال پیش کئے جاتے ہیں۔ جن اقوال پر ہمارا اعتراض ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ بنی زہرہ کے دو شجرے صحیح ہیں۔ ایک حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ والا شجرہ اور دوسرا حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف والا شجرہ

ان دونوں کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں شجروں کے افراد کے درمیان باہمی مصاہرت ومناکحت کے رشتے برابر قائم ہوتے رہے۔ بلکہ دوسرے قریشیوں کے ساتھ بھی ان دونوں شجروں کی مصاہرت برابر رہی۔ اگر یہ عبداللہ بن حارث والا کوئی تیسرا شجرہ بھی ہوتا۔ تو ضرور اس تیسرے شجرے کے افراد کی مصاہرت ومناکحت بھی ان دونوں شجروں میں سے کسی شجرے کے افراد سے ہوتی یا قریش کے دوسرے خاندان سے ہوتی۔ مگر اس تیسرے جعلی شجرے کے کسی فرد کے ساتھ کسی دوسرے قریشی نے کسی طرح کی مصاہرت پیدا نہیں کی۔ یہ چھوٹا سا شجرہ جو ابن شہاب کو بنی زہرہ میں سے ثابت کرنے کے لئے بنالیا گیا ہے۔ اس میں زہری سے پہلے یا بعد کسی عورت کا نام تو ہے ہی نہیں لے دے کر زہری کی ماں کا پتہ ملتا ہے جو زہری کے چچیرے پر دادا کی بیٹی تھیں۔ اور اخیر میں زہری کی صاحبزادی کے متعلق معلوم ہوتا ہے جو زہری کے بھتیجے سے بیاہی گئی تھی۔ اللہ اللہ، خیر سلّا

رہ گئے مرد۔ تو عبداللہ سے لے کر ابن شہاب یعنے محمد تک چھ نام ہیں۔ ان میں سے کس کی شادی کہاں ہوئی تھی۔ اس کا پتہ لگائیے۔ تو صرف ابن شہاب کے باپ مسلم کا پتہ ملتا ہے کہ ان کی شادی ان کے باپ عبیداللہ کی چچیری بہن سے ہوئی۔ یعنی شہاب کے دو بیٹے تھے۔ عبداللہ اکبر اور عبداللہ اصغر۔

عبداللہ اکبر کے صرف ایک بیٹا تھا اور عبداللہ اصغر کے صرف ایک بیٹی مگر غالباً عبداللہ اکبر اپنے چھوٹے بھائی سے بہت بڑے تھے یا عبداللہ اکبر کے بیٹے عبیداللہ اپنے باپ کی جوانی کی اولاد تھے اور عبداللہ اصغر کو بڑھاپے میں صرف ایک بیٹی ہوئی تھی۔ اسلئے عبیداللہ سے تو عبداللہ اصغر کی بیٹی کی شادی نہ ہوئی۔ بلکہ عبیداللہ کے بیٹے مسلم سے ہوئی۔ مگر عبیداللہ کی شادی کہاں ہوئی تھی؟ عبداللہ اکبر اور عبداللہ اصغر کی شادیاں کہاں ہوئی تھیں۔ کچھ معلوم نہیں۔ ان کے اوپر کا حال نہ معلوم ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ حارث، عبدمناف، زہرہ وغیرہم کی شادیوں کا بھی پتا لگانا مشکل ہے اسلئے اگر شہاب کی شادی کا پتہ نہیں لگتا تو کیا محل اعتراض ہے۔

خود ابن شہاب محمد بن مسلم کی شادی کہاں ہوئی تھی؟ ان کے بھائی عبداللہ بن مسلم کی شادی کہاں ہوئی تھی؟ عبداللہ بن مسلم کے بیٹے محمد، جن کو ابن اخی الزہری (زہری کا بھتیجا) کہتے ہیں۔ ان کی شادی کا تو پتہ ملتا ہے کہ خود ابن شہاب کی بیٹی ام الحجاج سے ہوئی تھی جس سے ایک نالائق بیٹا ہوا۔ جس نے باپ کو محض میراث کے لالچ میں قتل کرا دیا۔

لیکن ابن شہاب اور ان کے بھائی کی شادیاں کہاں ہوئی تھیں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ غرض ابن شہاب کے خاندان میں صرف دو بیٹیوں کا پتا ملتا ہے ایک تو ابن شہاب کی والدہ کا۔ کہ وہ ان کے دادا کی اپنی چچیری بہن تھیں۔ دوسری ان کی ایک بیٹی کا جو ان کے بھتیجے سے بیاہی گئی تھیں۔ یعنی جو لڑکیاں اس خاندان میں تھیں۔ وہ اپنے گھر سے باہر نہیں گئیں۔ اور جو لڑکیاں باہر سے آئیں وہ خاندان قریش کی نہ تھیں ورنہ ضرور انساب کی کتابوں میں ان کا ذکر ہوتا۔

تو ابن شہاب کے خاندان کا قریش کے کسی خاندان سے بھی رشتہ مصاہرت ومناکحت کا نہ ہونا اس کی صاف اور کھلی ہوئی دلیل ہے کہ ان کو خاندانِ قریش سے کوئی نسبی تعلق نہ تھا اور یہ تو ہم اپنے مضمون میں ثبوت کے ساتھ لکھ چکے ہیں۔ کہ ابن شہاب شامی تھے۔ ایلہ کے رہنے والے تھے۔ مدنی ہرگز نہ تھے۔ ان کے بنی زہرہ

ہونے کے گمان پر محدثین و مؤرخین نے ان کو مدنی لکھ دیا ہے۔
یہ بھی کوئی نہیں بتاتا کہ ابن شہاب کے والد مسلم جب بنی زہرہ سے قریشی تھے تو پھر مہاجرین میں سے تھے یا مکہ میں ہی رہے۔ فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے؟ یا بعد فتح مکہ کے؟ اور پھر کہاں رہے؟ کس شغل میں رہے؟ کب مرے؟ اور کس طرح مرے؟ اسی طرح مسلم کے باپ عبیداللہ کے متعلق بھی یہی سب سوالات ہیں جن کا کوئی جواب دینا ممکن ہی نہیں۔
اب ان کی قرابت کے لوگوں کو دیکھیے۔ جن کو ائمہ رجال نے ان کا قرابت مند بتایا ہے ان میں سے شرفاء بنی زہرہ کو جو ان کا قرابت مند لکھا ہے وہ تو قابل اعتناء نہیں کیونکہ ائمہ رجال نے ان کو بھی نسبًا زہری مان لیا ہے۔ اسلئے ان کے ہر ہمعصر زہری کو وہ ان کے اقران میں لکھ دیا کرتے تھے۔ غیر زہری میں چند نام میری نظر سے گذرے ہیں جن کو ائمہ رجال نے ان کے اقران میں لکھا ہے مثلاً

۱. نافع بن مالک بن ابی عامر الاصبحی ابوسہیل التیمی المدنی۔ روی عنہ الزہری وہو من اقرانہ وابن اخیہ انس بن مالک ابن انس بن ابی عامر۔ (تہذیب التہذیب جز ۱۰ صـ ۴۱۲، فذالک تیمی)
۲. یزید بن مروان الاسدی ابوروح المدنی مولیٰ آل زبیر روی ابن عن ابن الزبیر وانس والزہری وہو من اقرانہ۔ (تہذیب التہذیب جز ۱ صـ ۳۲۵) وذالک اسدی۔ بل من موالی بنی اسد۔
۳. مانع بن عبداللہ بن شیبہ بن عثمان بن ابی طلحۃ العبدری ابو سلیمان الحجبی المکیّ وقد ینسب الی جدہ۔ روی عنہ .... والزہری وہو من اقرانہ (تہذیب التہذیب جز ۱ صـ ۱۲) وذالک عبدری حجبی)
۴. محمّد بن عبد المنکدر بن عبداللہ الھدیر بن عبد العُزّٰی بن عامر بن الحارث بن الحارثہ بن سعد بن تیم بن مرّۃ التّیمی ابوعبداللہ روی عنہ یوسف والمنکدر وابن اخیہ ابراہیم بن ابی بکر ابن المنکدر وابن اخیہ عبدالرّحمٰن۔ وزید بن اسلم

وعمرو بن دینار والزہری وھو من اقرانہ (ج ۹ ص۳۳۱ تہذیب التہذیب)
فمحمد بن المنکدر کان تیمیًا

۵. زید بن اسلم۔ کان من موالی عمر رض

۶ عمرو بن دینار المکیّ ابو محمد الاثرم الجمحی کان من مَوالِی الجمحیین
الکعبی ابو المطرف الکوفی وبقال البصری۔

۷. طلحۃ بن عبدُ اللہ بن کریز بن ربیعہ بن بلال الخزاعی روٰی عن
ابن عمر وابی الدّرداء وعائشۃ وحسین بن علی والزہری وھو
من اقرانہ (تہذیبُ التہذیبْ ۵ ص۲۱) روٰی عنہُ الزّہری وھو من اقرانہ

اب دیکھئے کہ ان کی قرابت میں متعدد موالی بھی ہیں اور خزاعی اور عبدری الہذبری ہی نظر آتے ہیں۔ کوئی قریشی ان میں نہیں ہیں۔ یہی سات نام نہیں ہیں میری اصل کتاب یہاں نہیں ہے۔ یہ محض ایک نوٹ بک سے سات نام نقل کئے ہیں۔ جو بیس پچیس برس قبل کے لکھے ہوئے ہیں۔ ان کے بعد بھی کئی نام ملے۔ کئی اور موالی ملے۔ غالبًا بارہ، چودہ نام میری کتاب میں ہیں۔ مگر کسی قریشی خاندان سے ان کی کوئی قرابت نہیں۔ البتہ بنی زہرہ میں سے کسی کا نام ہوتا ہے جیسے سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف تو ان کے نام کے ساتھ بھی لکھ دیا ہے۔ روٰی عنہُ الزہری وہو من اقرانہ صرف اسلئے کہ یہ بھی اپنے کو زہری نسبًا ثابت کرتے رہے یہاں تک کہ انساب قریش پر ایک کتاب ہی لکھ ڈالی۔ اور حارث بن زہری کا ایک تیسرا بیٹا عبداللہ تصنیف کر کے اپنا نسب اس سے جوڑ دیا۔ تو متأخرین ان کے دعوے پر اعتماد کر کے ان کو نسبًا زہری سمجھنے لگے۔ اسلئے ان کو سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کے اقران میں لکھ دیا۔ ورنہ قریش کے کسی خاندان میں ان کی رشتہ داری ثابت نہیں کی جاسکتی۔ انکے قرابتداروں میں موالی، خزاعی وعبدری وغیرہ تو نظر آتے ہیں۔ قریشی کوئی نظر نہیں آتا صراحتًا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ قریشی نہ تھے

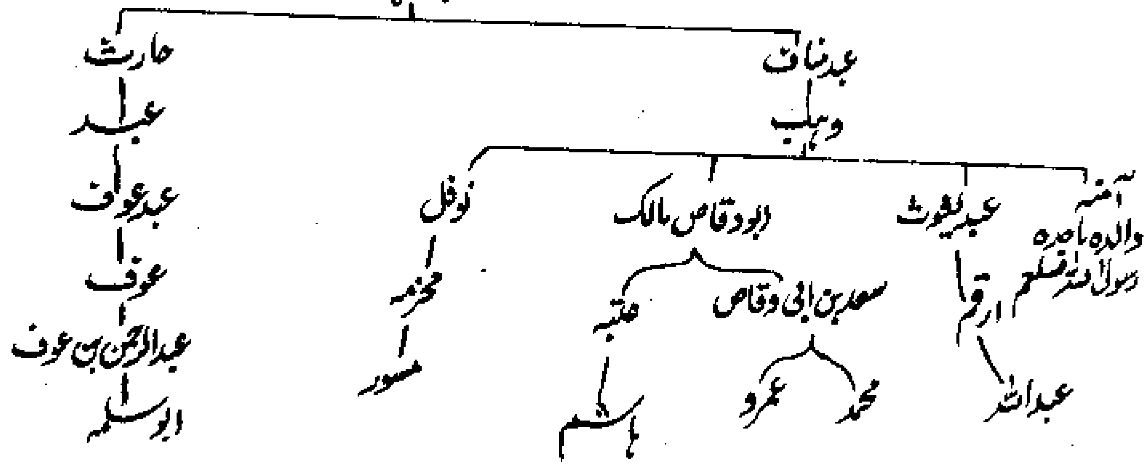
صحیفۂ اہلحدیث کے حدیث نمبر ۱۹۵۲ء کے اس مضمون پر میری ان گذارشات اور تبصرے کے بعد اب آپ میرا اصل مضمون ملاحظہ فرمائیے۔

حدیث وسیرت کے مدوّنِ اوّل

محمد بن شہاب زہری کا نسب نامہ

محدثین و ائمہ رجال زہری کا سلسلۂ نسب حسب تصریح ذیل لکھتے ہیں۔ محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب بن عبد اللہ بن الحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر۔ یہی نضر ہیں جن کو "قریش" کہا جاتا ہے۔

مگر ائمہ "تاریخ ونسب" حارث بن زہرہ" کے کسی بیٹے کا نام" عبد اللہ" نہیں لکھتے ان کے نزدیک حارث کے صرف ایک ہی بیٹے تھے۔ "عبد" اور ان کے بیٹے "عبدعوف" چنانچہ تاریخ ابن خلدون جلد دوم حصہ اول مطبوعہ مصر ص ۲۲۴ سے آخر جلد یعنے ص ۲۳۸ تک خاندانِ قریش ہی کا ذکر ہے۔ مگر ان چودہ صفحات میں جہاں محمد بن اسحٰق صاحبُ المغازی امام شافعی اور ابن ابی معیط[1] (عبد اللہ) جو چوتھی صدی کے آدمی ہیں۔ ان تک کا ذکر ہے وہاں زہری یعنے محمد ابن مسلم سے لے کر عبد اللہ بن الحارث تک چھ پشتوں میں سے کسی ایک کا بھی تذکرہ نہیں۔ چنانچہ ابن خلدون بنی زہرہ کا شجرۂ نسب یوں لکھتے ہیں۔



[1] عبد اللہ بن ابی معیط کا سلسلۂ نسب ابن خلدون جلد ۲ حصہ اول ص ۲۲۸ میں یوں ہے۔ عبد اللہ بن عبد اللہ بن عبید اللہ بن الولید بن محمد بن یوسف بن عبد اللہ بن عبد العزیز بن خالد بن عثمان بن عبد اللہ بن عبد العزیز بن خالد بن عتبہ بن ابی معیط اور ابو معیط کا نام آبان بن عمرو بن امیہ لکھا ہے اور لکھا ہے کہ اس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں خود اپنے دست مبارک سے قتل فرمایا تھا۔ اسی کے بیٹے تھے ولیدؓ جو صحابی تھے بحوالہ ابن عبد البر

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ابن عبدالبر استیعاب کے اواخر جلد اول صـ۲۸۶ میں عبداللہ بن شہاب کا ترجمہ لکھتے ہوئے ان کو محمد بن مسلم الزہری کا جد بتاتے ہیں۔ اور ان کو دو بھائی عبداللہ الاکبر اور عبداللہ الاصغر تحریر کرتے ہوئے ان کا نسب نامہ یوں بیان کرتے ہیں۔ عبداللہ بن شہاب بن عبداللہ بن الحارث بن زہرہ بن کلاب۔ اور لکھتے ہیں کہ شہاب کے دو بیٹے تھے۔ بڑے کا نام عبدالجان اور چھوٹے کا نام عبداللہ تھا۔ عبدالجان سابقون الاولون میں تھے۔ جب وہ ایمان لائے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل دیا۔ اور عبداللہ ان کا بھی نام رکھ دیا تو یہ عبداللہ الاکبر کہے جانے لگے اور چھوٹے بھائی عبداللہ اصغر۔ عبداللہ اکبر ہی کو ابن شہاب زہری کا جد کہا ہے۔ یہ ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے۔ پھر وہاں سے مکہ مکرمہ واپس آ گئے اور ہجرت مدینہ سے پہلے وفات پا گئے اور چھوٹے صاحب مشرکین کے ساتھ جنگ احد میں شریک تھے اور بروایت ابن اسحٰق انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کچھ ایذا بھی اس جنگ میں پہنچائی تھی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابن شہاب زہری سے کسی نے کہا کہ تمہارے جد جنگ بدر میں شریک تھے تو زہری نے کہا کہ ہاں مگر اس طرف سے۔ یعنی مشرکین کے طرفدار بن کر۔ لیکن ابن خلدون جلد ۲ حصہ ۲ صـ۳ میں لکھتے ہیں :۔

"کہ غزوۂ بدر میں کوئی قریشی، عددی یا زہری شریک نہ تھا۔ اخنس بن شریق تمام بنی زہرہ کو میدانِ جنگ سے واپس لے گئے تھے۔ کیونکہ یہ ان کے حلیف تھے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ میدان کی تھوڑی دیر کی شرکت مقصود تھی۔ جنگ کی شرکت مقصود یہاں نہ تھی۔ یا یہ کہ "اُحد" کو غلطی کتابت

(بقیہ صفحہ گذشتہ) استیعاب میں ولید بن عقبہ بن ابی معیط کا ترجمہ جو لکھتے ہیں تو ابو معیط آبان کے والد کا نام عمرو نہیں لکھتے بلکہ کنیت ابوعمرو لکھتے ہیں اور نام ذکوان کہتے ہیں اور ابوعمرو ذکوان بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف لکھتے ہیں۔ غرض ابن خلدون اور ابن عبدالبر میں صرف اتنا اختلاف ہے کہ وہ آبان کے والد کا نام عمرو لکھتے ہیں۔ بغیر کسی کنیت کے اور یہ ان کے والد کا نام ذکوان بتاتے ہیں اور ابوعمرو کنیت لکھتے ہیں اور بس۔ یہ اختلاف کوئی اہم اختلاف نہیں۔

یا روایت کی وجہ سے 'بدر' کا لقب مل گیا ہو؟ واللہ اعلم بالصواب

بہر حال یہ عبداللہ اصغر جو تھے ان کو استیعاب میں ابن شہاب زہری کا جد ماں کی جانب سے قرار دیا ہے یعنے نانا۔ اور لکھا ہے کہ آخر میں مشرف باسلام ہو گئے تھے اسی لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ان کا ذکر کیا گیا۔

اب مرحلہ یہ رہ جاتا ہے کہ ابن شہاب زہری یعنے محمد بن مسلم کے اپنے دادا کا نام تو بالاتفاق تمام محدثین عبیداللہ بن عبداللہ لکھتے ہیں۔ اس لئے عبداللہ اکبر جو حارث کے بیٹے تھے وہ حسب بیانِ محدثین زہری کے پڑدادا ہی ہوں گے نہ کہ دادا۔ باقی رہے عبداللہ اصغر، تو ممکن ہے کہ یہ بھائی سے بہت چھوٹے ہوں اور ان کی لڑکی کی شادی ان کے بھتیجے عبیداللہ کے بیٹے مسلم سے ہوئی ہو، اسطرح عبداللہ اصغر، ابن شہاب زہری کے حقیقی نانا ہوں یہ کوئی بعید از عقل بات نہیں۔

استیعاب کی مذکورہ تصریح سے صرف اتنا پتہ ملا کہ ابن شہاب زہری کے پڑدادا اور نانا کون تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دونوں باہم حقیقی بھائی تھے۔ مگر ابن شہاب کے حقیقی دادا عبیداللہ اور باپ مسلم اور خود شہاب اور شہاب کے باپ عبداللہ کا پتہ خود محدثین کے یہاں بھی نہیں ملتا۔

مسلم بن عبیداللہ القریشی

تہذیب التہذیب میں اور نیز استیعاب میں "مسلم بن عبیداللہ القریشی" کا نام آتا ہے مگر تعجب ہے کہ کوئی بھی ان کو والد ابن شہاب زہری نہیں قرار دیتا۔ باوجود اس کے کہ باعتبار زمانے کے یہ ابن شہاب کے والد ہو سکتے ہیں، اور محدثین ان کو 'قریشی' بھی لکھتے ہیں۔ ابن عبدالبر استیعاب میں ان کے بعض حالات سے عدم واقفیت ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ وَلَا اَدْرِی اَیضًا مِن اَیِّ قُریشٍ ھو یعنی میں یہ بھی نہیں جانتا کہ یہ قریش کے کس خاندان سے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نام ہی میں محدثین کا اختلاف ہو گیا ہے۔ کوئی عبداللہ بن مسلم کہتا ہے۔ کوئی مسلم بن عبیداللہ۔ اور ان کا نام صرف ایک ہی روایت میں آتا ہے۔ جو ہارون بن سلیمان الفرّاء سے مروی ہے۔

اگر کئی روایتیں ہوتیں تو دیکھا جاتا کہ اکثریت عبداللہ بن مسلم والی روایتوں کی ہے۔ یا مسلم بن عبیداللہ والی روایتوں کی۔ اور اس اکثریت کے مطابق نام کی تصحیح کر لی جاتی۔ مگر یہاں تو بس ایک ہی روایت ہے جس میں کوئی مسلم بن عبیداللہ کہتا ہے کوئی عبداللہ بن مسلم۔ مگر بغوی اور متعدد اہلِ تحقیق مسلم بن عبیداللہ ہی کو قول مُرجّح قرار دیتے ہیں اور بعضوں نے عبداللہ اور عبیداللہ کے فرق کو روایت یا کتابت کی غلطی سمجھ کر مسلم بن عبیداللہ لکھ دیا جو بالکل غلط ہے۔ یا غالباً ایسا اس لئے کہا کہ کسی کا ذہن مسلم بن عبیداللہ والد ابن شہاب زہری کیطرف نہ چلا جائے۔ مگر بہر حال اس کا تعجب ضرور ہے کہ مسلم بن عبیداللہ کہنے والے بھی باوجود اس راوی کو قریشی ماننے کے اس کا شبہ نہیں کرتے کہ شاید یہ ابن شہاب زہری کے والد بزرگوار ہی ہوں۔ آخر یہ کیوں؟ غالباً اسلئے کہ زہری بلا واسطہ یا بالواسطہ یا بالوسائط اپنے باپ دادا، پڑدادا، یا نانا، کسی سے بھی کوئی روایت نہیں کرتے۔ پھر ان لوگوں کا گمنام ہی رہنا بہتر ہے۔

قولِ محقق یہ ہے کہ یہ روایت دو طریقے سے مروی ہے اور دونوں طریقوں کے راوی ہارون بن سلیمان الفرّاء ہی ہیں۔ ایک طریق عن عَبدِ اللہِ عن مسلم عن عبید اللہ عن النبیّ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ دوسرا طریق ہے عن مُسلم عَن عبید اللہِ عن النبی صلّی اللہُ علیہ وسلّم

پہلے طریق سے "عن عبیداللہ" کا لفظ غلطی روایت سے یا غلطی کتابت سے چھوٹ گیا۔ اور عن عبد اللہ عن مسلم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم رہ گیا۔ اس لئے دوسرے طریق سے پہلا طریق مشتبہ ہو گیا۔ اور پھر بعضوں کو عبداللہ اور عبیداللہ میں بھی اشتباہ پیدا ہو گیا۔ تھے یہ مسلم اور عبیداللہ دونوں ہی باپ بیٹے دنیائے روایت میں گمنام صرف اس ایک روایت کے سوا اور کہیں ان کا نام آتا ہی نہ تھا، اس کیطرف کسی کا گمان نہ گیا کہ پہلا طریق عبداللہ بن مسلم اخو الزہری سے مروی ہے۔ جس کو وہ اپنے باپ مسلم اور وہ اپنے باپ عبیداللہ سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

کر رہے ہیں۔ اور دوسرا طریق وہ ہے جس کو ہارون بن سلیمان الفراء زہری کے والد مسلم بن عبید اللہ سے بلا واسطہ روایت کر رہے ہیں اور مسلم اپنے باپ عبید اللہ سے اور وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے۔ اگر مسلم اور عبید اللہ غیر معروف اشخاص نہ ہوتے تو یہ اختلاف نہ پیدا ہوتا۔ اس روایت سے اس کا بھی پتہ مل سکتا ہے۔ کہ مسلم بن عبید اللہ کی وفات تقریباً ۸۰ھ میں ہوئی ہے۔ کیونکہ ہارون ابن سلیمان الفراء موالی میں تھے۔ عمرو بن الحارث المخزومی الکوفی کے اور عمرو بن الحارث کی وفات ۹۸ھ میں ہے اور زہری کی ولادت ۵۲ھ کی ہے اور زہری کے بھائی عبد اللہ بن مسلم زہری سے بڑے تھے۔ اس لئے عبد اللہ کی پیدائش یقیناً ۵۰ھ یا اس سے بھی پہلے ہی ہوئی تھی۔ اور انہوں نے وفات بھی زہری سے پہلے پائی۔ ممکن ہے کہ ۱۲۳ھ میں انہی کی وفات ہو۔ ہارون بن سلیمان الفراء سے روایت کرنے والوں میں عبد اللہ بن داؤد الخریبی الکوفی بھی تھے۔ جن کی وفات ۲۱۳ھ میں ہوئی۔ اگر خریبی نے ہارون سے عنفوان شباب میں بھی حدیث سنی تو ہارون کی وفات یقیناً زہری کے بہت بعد ہوئی ہوگی اس لئے ہارون، زہری کے ہم عصر ہی ہو سکتے ہیں۔ بلکہ قرینہ غالب ہے کہ زہری سے عمر میں کچھ چھوٹے ہوں۔ البتہ اگر سو یا سو سے زیادہ عمر پائی ہو تو ممکن ہے کہ زہری سے بڑے ہوں۔ بہر حال ہارون بن سلیمان مسلم سے روایت کر رہے ہیں تو مسلم بن عبید اللہ کی وفات ۸۰ھ یا اس کے لگ بھگ ہوگی۔ اس لئے زہری اپنے والد کی وفات کے وقت ۲۴ سال کے ہو سکتے ہیں۔ تو اگر آغاز شباب سے یہ جمع احادیث کا مشغلہ رکھتے تو اپنے والد سے بھی کچھ حدیثیں ضرور روایت کرتے۔

غرض حسب اصطلاح اہل کچہری "تردد و تلاش قرار واقعی" کرنے کے بعد ابن شہاب زہری کے بھائی عبد اللہ اور باپ مسلم اور دادا عبید اللہ اور پڑدادا عبد اللہ الاکبر اور نانا عبد اللہ الاصغر تک کا تو کسی قدر پتہ مل گیا۔ پڑدادا اور نانا کے کچھ حالات بھی معلوم ہو گئے۔ اگرچہ باپ اور دادا کا کوئی حال معلوم نہ ہو سکا۔ اگر ان کے بعد والوں کو ڈھونڈھئے تو صرف محمد بن عبد اللہ بن مسلم کا پتہ ملتا ہے اور بس، جو زہری کے بھتیجے تھے

اور ابن اخی الزہری کے لقب سے متعارف ہیں۔ لاولد مرے۔ مگر شہاب جوان کے مورث اعلیٰ ہیں۔ ان کا نام صرف محدّثین کی کتب رجال میں بذیل سلسلہ نسب زہری یا اخو الزہری یا ابو الزہری یا جد الزُہری ہی کے ذکر میں آجاتا ہے۔ ورنہ بذات خود ان کا تذکرہ علمائے نسب و تاریخ تو کرتے ہی نہیں، ان کا کیا، کہ اس سلسلۂ نسب کے کسی فرد کا بھی ذکر نہیں کرتے۔ مگر محدّثین بھی ذکر نہیں کرتے۔ اور واقعی محدّثین کیوں کرنے لگے۔ یہ تو بہت متقدم ہیں۔ ممکن ہے کہ بعثت نبوی صلے اللہ علیہ وسلّم کے قبل ہی مر چکے ہوں، کیونکہ یہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے والد کے چچا بتائے جاتے ہیں اس لئے محدّثین کو ان سے کیا کام؛ تو محدّثین اُن کا ذکر کرنے سے رہے۔ علماءِ تاریخ ان کا ذکر کہیں کرتے نہیں۔ انساب کی کتابوں میں ان کا نام کہیں ملتا نہیں، تو پھر اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ زہری کے سلسلۂ نسب میں محدّثین کے یہاں جوان کا نام آگیا ہے اور جس طرح آگیا ہے۔ اسی پر ایمان لے آیئے۔

شہاب نام حقیقت یہ ہے کہ "شہاب" نہ فقط خاندان قریش بلکہ ان کے اوپر کے شجروں میں بھی دیکھیئے تو کسی ایک فرد کا بھی یہ نام آپ کو نظر نہ آئے گا۔ خاص خاندان قریش میں یہ نام ایک اجنبی سا معلوم ہوتا ہے جو اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے کہ یہ کوئی باہر کے آدمی تھے۔ یہ بخوبی ممکن ہے کہ بنی زہرہ کے موالی میں سے ہوں اور موالی بنی زہرہ ہونے کی وجہ سے زہری قریشی کہے جانے لگے۔

جس طرح دوسرے مَوالی بنی زُہرہ کو لوگ زہری کہتے تھے

قرینہ غالب یہ ہے کہ شہاب خود اپنے آخر وقت میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہوں اور اوائلِ اسلام ہی میں وفات پا گئے ہوں۔ یا عبد اللہ الاکبر بن شہاب جو صحابی تھے۔ یعنی زہری کے پڑدادا۔ وہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھ پر ایمان لائے ہوں۔ یا عبید اللہ بن عبد اللہ

بن شہاب، جو زہری کے دادا تھے۔ وہ اپنے باپ کے انتقال کے وقت کم عمر ہوں اور باپ کے بعد عبداللہ الاصغر بن شہاب اپنے چچا کے زیر تربیت رہنے کی وجہ سے ان کے ساتھ بوقت بلوغ حالت کفر میں ہوں۔ مگر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی تبلیغ کی وجہ سے مسلمان ہوئے ہوں۔ غرض قرینہ غالب یہی ہے کہ مذکورہ وجوہ کی بنا پہ خود شہاب۔ یا عبداللہ بن شہاب، یا عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب بسبب ولایت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ زہری کہلانے لگے۔ جس طرح سعد بن عبید الزہری کہ عبدالرحمٰن بن ازہر الزہری کے موالی میں ہونے کی وجہ سے زہری کہے جانے لگے۔ اور بعضوں نے ان کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے موالی میں لکھا ہے۔ اسی طرح سلیمان بن موسیٰ الزہری اور محمد بن عبدالرحمٰن الزہری بھی موالی بنی زہرہ میں سے ہونے کی وجہ سے زہری کہے گئے۔ صفوان بن سُلیم الزہری اور صفوان بن عیسیٰ الزہری اور ابو الحارث الفقیہ جو مشہور محدث تھے۔ یہ سب موالی بنی زہرہ میں سے تھے۔ مُصعب بن سلیم الاسدی جو آلِ زُبیر کے موالی میں سے تھے۔ صرف غزلیف بنی زہرہ (کارندہ) ہونے کی وجہ سے زہری کہے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ امام ابو عبید اللہ محمد بن یحییٰ بن خالد الذہلی امام نیسا پور نے چونکہ ابن شہاب زہری کی روایتوں کو تمام سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر یکجا کر کے اس کا نام الزُّہریات رکھا تھا۔ اس لئے یہ بھی "زہری" کے ممتاز لقب سے یاد کئے جانے لگے۔ غرض اسی طرح موالی بنی زہرہ ہونے کی وجہ سے ابن شہاب زہری کے آباء و اجداد بھی زہری کہے جانے لگے تھے۔

امام ذہبی رح تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صہ ۱۰۶ میں بضمن ترجمہ زہری لکھتے ہیں۔ قرۃ بنی حیویل ؒ نے کہا ہے کہ ان (زہری) کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔ (جس میں انہوں نے اپنی حدیثیں لکھ رکھی ہوں) بجز ایک کتاب کے جس میں انہوں نے اپنی قوم کا نسب نامہ جمع کیا تھا۔ افسوس کہ آئمۂ نسب نے زہری کی اسی کتاب کو محفوظ نہ رکھا۔ عجب کیا ہے کہ وہ کتاب اسی لئے ضائع کر دی گئی ہو کہ اس میں ابن شہاب نے اپنا صحیح نسب نامہ درج کیا ہو، ورنہ آخر وہ کتاب ہوئی کیا؟ وہ تو ان کی خاص تحریر تھی۔ اس سے ان کے نسب کا صحیح پتہ ضرور

مل جاتا۔

زہری کی سکونت

ابن شہاب زہری کے متعلق مشہور یہ ہے کہ یہ مدنی تھے اور یہ صرف اس گمان پر مشہور ہو گیا کہ ان کو قریشی اور بنی زہرہ کا ایک فرد سمجھ لیا گیا۔ اور تقریباً تمام مسلمین قریش، بنو ہاشم، بنو امیہ اور بنو زہرہ وغیرہم ہجرت کے بعد جو مدینہ طیبہ آئے۔ تو پھر مدنی ہی ہو گئے اور ان کی اولاد تقریباً سب کی سب مدنی ہی رہی تو چونکہ زہری بھی زہری و قریشی نسباً سمجھ لئے گئے اس لئے یہی خیال کیا گیا کہ پھر یہ بھی مدنی ہی تھے۔ اور مدینہ ہی میں رہے۔ حالانکہ یہ در اصل مقام "ایلہ" کے رہنے والے تھے۔ چنانچہ ابن حجر تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۲۵۷ ترجمہ عقیل بن خالد بن عقیل الایلی تلمیذ زہری میں لکھتے ہیں کہ کان الزھری یکون بایلۃ وللزھری ھناک ضیعۃ وکان یکتب عنہ ھناک الماجشون یعنی زہری ایلہ میں رہتے تھے اور وہاں زہری کی جائیداد تھی۔ اور وہیں ان سے عبد العزیز بن عبد اللہ بن ابی سلمۃ الماجشون حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ یہ ماجشون صاحب مدنی تھے مگر ایلہ پہنچ کر وہاں رہ کر زہری سے حدیثیں لے لے کر لکھا کرتے تھے۔ اسی طرح دوسرے طلبۂ حدیث بھی ایلہ پہنچ پہنچ کر ہی ان سے حدیثیں لیتے رہتے ہوں گے۔ اپنی طلب حدیث کے زمانے میں جو یقیناً ۱۰۱ھ کے بعد کا زمانہ تھا۔ یعنی جب حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے جمع احادیث کا حکم والیٔ مدینہ ابو بکر بن حزم رض کے پاس مدینہ میں بھیجا اور والیٔ مدینہ ابو بکر بن حزم رض ابھی جمع حدیث کی اسکیم ہی بنا رہے تھے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ انتقال فرما گئے اور پھر فوراً ہی والیٔ مدینہ ابو بکر بن حزم رض نئے خلیفہ یزید بن عبد الملک کے حکم سے معزول کر دیے گئے اور منافقین عجم نے اب اپنے مقاصد کے ماتحت جمع احادیث کا کام شروع کرنا چاہا تو انہیں منافقین عجم کے آمادہ کرنے سے اس وقت خود ابن شہاب کو خیال ہوا کہ ہم حدیثیں جمع کرنا شروع کر دیں تو یہ مدینہ بھی پہنچے اور کوفہ بھی۔ اور مختلف مقامات سے حدیثیں حاصل کیں تو پھر بیسوں راویوں کے ساتھ رہے۔ مگر اس سے پہلے اپنے والد کی زندگی میں میلان تشیع کی وجہ سے

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کی صحبت میں بھی رہے تھے ۔ اپنے والد کی وفات کے بعد پھر گھر چلے آئے اور اپنا کاروبار دیکھنے لگے ۔ ان کا کاروبار بڑا تھا اور کافی مالدار تھے لیکن اس طرح کے چند روزہ مدت قیام کی وجہ سے اگر یہ مدنی ہو سکتے تو پھر کوئی بھی ہو سکتے ہیں اور بصری بھی اور مصری بھی اور شامی بھی

زُہری کی وفات اور قبر

زہری کی وفات حسب روایت سمعانی روز سہ شنبہ ۱۷ رمضان ۱۲۴ھ کو نواحی شام قریہ بیل میں ہوئی ۔ اُن کی قبر مقام زار میں ہے ۔ معجم البلدان میں ہے کہ "بیل" بالکسر واللام ملک رے کے قریوں میں سے ہے ۔ بعضوں نے سرخس کے قریوں میں لکھا ہے اور زار کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ایک قریہ ہے ۔ نواحی سمرقند میں ۔ اشتخن کے قریوں میں سے جہاں لوگ عموماً دفن کئے جاتے ہیں ۔ (معجم ج ۴ ص ۲۶) غرض نہ مدینہ طیبہ کبھی ان کا یا ان کے آباؤ و اجداد کا وطن رہا نہ انہوں نے وہاں وفات پائی اور نہ ہی وہاں دفن ہوئے ۔

بنی زُہرہ کا شجرۂ نسب

اب ہم بنی زہرہ کا شجرۂ نسب ذرا تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں ۔ اس کے دیکھنے سے یہ صاف معلوم ہو جائے گا کہ زہرہ بن کلاب کے دو بیٹے تھے ۔ عبد مناف اور حارث عبد مناف کی نسل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ننھیال تھی اور پھر حضرت سعد بن ابی وقاص اور ان کے بھائیوں کی شاخیں چلتی ہیں اور حارث کی نسل سے حضرت عبد الرحمن بن عوف رض اور ان کے بھائی بہن کی نسل چلی ہے ۔ حارث اور عبد مناف کی مذکورہ بالا شاخوں میں باہمی رشتۂ مناکحت بھی رہا ہے ۔ مثلاً عبد الرحمن بن عوف رض کی بہن "شفا" دوسری بہن عاتکہ ۔ دونوں کی شادی مخرمہ بن نوفل سے ہوئی تھی ۔ اور نوفل عبد مناف بن زہرہ کے پوتے تھے ۔ ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن ابی وقاص رض کے داماد تھے ۔ اسی طرح ایک ہی شاخ کی نسلوں میں باہمی رشتۂ ازدواج بھی تھا ۔ مثلاً محمد بن اسود ابن خلف بن عبد یغوث جو عبد مناف کے پوتے کے پڑپوتے تھے ۔ حضرت سعد بن

ابی وقاص رضؓ کے داماد تھے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کی ایک بہن کی شادی سمرہ بن جندب بن حجیر بن رباب بن حبیب بن سواہ بن عامر بن صعصعہ سے ہوئی تھی۔ اور عمران بن عبدالعزیزؒ بن عمر بن عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کی شادی امۃ الرحمٰن بنت حفص بن عمر بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے ہوئی تھی۔ اور دوسرے قریشی خاندان کے افراد سے بھی ان دونوں شاخوں کے افراد کی شادیاں ہوئی تھیں۔ مثلاً آمنہ جو عبد مناف بن زہرہ کی پوتی تھیں۔ ان کی شادی عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم سے ہوئی تھی اور سہل بن عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن حارث بن امیۃ الاصغر ابن عبد شمس کے داماد تھے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کی والدہ، حکیم بن طلیق بن سفیان بن امیہ کی بیٹی تھیں۔ وغیر ذالک

مگر حارث بن زہرہ بن کلاب کی ایک سب سے الگ تھلگ شاخ شہاب بن عبداللہ بن حارث کی ایسی نکالی گئی ہے۔ جس کا کوئی رشتہ اپنی اغل بغل والی شاخوں سے کبھی قائم ہی نہیں ہوا۔ بلکہ دوسرے قریشیوں سے بھی ان کا کوئی ناتا نہیں۔ عبداللہ اور شہاب اور پھر شہاب کے دونوں بیٹے عبداللہ الاکبر اور عبداللہ اصغر ان چاروں میں سے کسی ایک شخص کا بھی رشتۂ مصاہرت کسی قریشی گھر سے نہیں ہوا۔ ورنہ ضرور اس کا ذکر تاریخ وسیر اور انساب کی کتابوں میں ہوتا۔ عبیداللہ جو ابن شہاب زہری کے دادا تھے۔ یہ بھی خاندانِ قریش سے باہر ہی بیاہے گئے۔ مسلم اپنے ہی گھر بس رہے۔ یعنے اپنے باپ کی حقیقی چچیری بہن سے بیاہے گئے۔ خود ابن شہاب زہری، ان کے بھائی، ان کے بھتیجے کہاں کہاں بیاہے گئے۔ کچھ معلوم نہیں۔ غرض یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ حارث کی یہ شاخ جو عبداللہ، شہاب .... الخ کی ہے۔ یہ صرف ابن شہاب زہری کو نسبًا زہری بنانے ہی کے لئے بنائی گئی ہے۔ شہاب سے آخر تک کا سلسلہ تو ضرور صحیح معلوم ہوتا ہے مگر شہاب سے اوپر کا سلسلہ صحیح نہیں۔ زہری کو زہری کہنا بھی صحیح ہو سکتا ہے مگر ان کے دادا یا پڑدادا کے یا دونوں کے موالی بنی زہرہ ہونے کی وجہ سے نہ کہ نسبًا۔ واللہ اعلم بالصواب

اب بنی زہرہ کا مفصّل شجرۂ نسب سامنے صفحہ پر ملاحظہ فرمایئے مگر واضح رہے کہ

اس شجرہ میں متعارف ہی افراد کا ذکر ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی نام چھوٹا ہی نہیں ہے۔ ان میں اکثر وہی ہیں جن سے محدثین نے روایتیں لی ہیں۔ اب نقشہ شجرۂ نسب ملاحظہ فرمایئے

ـــہ جن لوگوں نے ابوطالب کو کہا تھا کہ اپنے بھتیجے کو منع کرو کہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں و غیر ذلک من الاقوال۔ اس جماعت میں یہ اسود صاحب بھی تھے۔ (ابن خلدون)

عـــہ ابن خلدون نے عبد مناف کا ایک ہی بیٹا وہیب قرار دیا ہے اور وہیب کے تین بیٹے عبدیغوث، نوفل، مالک۔ اہیب کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اہل انساب وہیب اور اہیب دونوں کا ذکر کرتے ہیں اور محدثین بھی۔

ســہ حارث کے بیٹے کا نام عبدالحارث تھا۔ محدثین نے صرف عبد لکھا ہے۔ ابن خلدون نے حارث کا نام اُڑا کر عبدالحارث بن زہرہ بن کلاب لکھ دیا ہے۔ غالباً غلطی طباعت سے حارث کا نام درمیان سے غائب ہو گیا۔ صحیح یوں سمجھنا چاہیئے۔ عوف بن عبدعوف بن عبدالحارث بن حارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ

للعـــہ جابر بن الاسود الزہری۔ کان امیرالعبداللہ بن الزبیر۔ کتاب اسماء الرجال اورینٹل لائبریری پٹنہ کتاب کا سلسلہ وار نمبر ۲۴۰۱

ـــہ مخرمہ کی شادی عوف کی دونوں بیٹیوں عاتکہ و شفا سے ہوئی۔ یکے بعد دیگرے ہوا اس وقت جمع بین الاختین ممنوع نہ ہو مسور کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ عاتکہ کے بطن سے تھے یا شفا کے بطن سے۔ مگر تحقیق یہی ہے کہ مسور شفا کے بطن سے تھے اور صفوان کے متعلق قرینہ ہے کہ وہ عاتکہ کے بطن سے ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب

لـہ عبدالرحمٰن بن عوف کے بیٹے عمر کے دو بیٹے حفص اور ابوثابت عبدالعزیز۔ حفص کی بیٹی امۃ الرحمٰن جو بیوی تھیں عبدالعزیز ابوثابت کے بیٹے عبدالعزیز بن ابی ثابت کی۔ انہی ابوثابت کے بیٹے امۃ الرحمٰن کے بطن سے سلیمان تھے۔ اس لئے سلیمان کے نام کا تعلق امۃ الرحمٰن سے بھی دکھایا گیا ہے اور عبدالعزیز بن ابی ثابت سے بھی۔ شجرہ میں یہ تعلق نمایاں نہیں ہے اس لئے اس کو سمجھ لینا چاہیئے۔

زہری کی کنیت اور عمر

ان کی کنیت ابو بکر تھی۔ حسب اختلاف اقوال ۵۰ یا ۵۱ یا ۵۶ یا ۵۸ ھ میں ان کی ولادت ہوئی اور ۱۲۳ یا ۱۲۴ یا ۱۲۵ھ میں انہوں نے وفات پائی۔ مگر ان کی عمر جس نے بتائی ہے ۷۲ سال بتائی ہے۔ اس لئے ۵۲ھ میں ان کی ولادت اور ۱۲۴ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ یہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ان کے بھائی عبداللہ کی ولادت ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں اور وفات ۱۲۳ھ میں ہوئی ہوگی۔ کیونکہ عبداللہ، زہری سے بڑے تھے۔ اور زہری سے پہلے ان کی وفات بھی متفق علیہ ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۹ ترجمہ عبداللہ بن مسلم اخوالزہری۔

سب سے پہلے جامع احادیث و روایات

اکثر علماء کے نزدیک سب سے پہلے احادیث و روایات کے جامع و مدوّن یہی ہیں۔ اور یہی قول صحیح ہے۔ جن لوگوں نے قاضی ابوبکر[1] بن حزم کو پہلا جامع کہا ہے وہ درحقیقت صحیح نہیں۔ ابن حزم مدینہ طیبہ کے قاضی تھے۔ انہوں نے اپنے ادائے فرض منصبی کی سہولت کے لئے کچھ مسائل قضا غیر مرتب طور سے اپنے آغاز کار کے وقت نوٹ کر لئے تھے۔ ان کی نیت جمع احادیث و روایات کی نہ تھی، اسی لئے انہوں نے اپنے اس نوٹ کی کوئی حفاظت نہ کی اور ان کے وقت ہی میں وہ سب ضائع ہوگئے۔

---

[1] ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم الانصاری الخزرجی ثم النجاری (نون و جیم سے) المدنی سلیمان بن عبدالملک کے حکم سے مدینہ کے قاضی مقرر ہوئے تھے ۹۶ھ کے رمضان میں۔ امام مالکؒ فرماتے تھے کہ مدینہ میں علم القضا ان سے زیادہ کسی کے پاس نہ تھا۔ ان کی وفات باختلاف اقوال ۱۱۰ یا ۱۱۷ یا ۱۲۰ یا ۱۲۶ھ میں ہے مگر آخری قول کو ابن حجرؒ غلط قرار دیتے ہیں۔ تاریخ ابن خلدون ج ۳ ص ۸۶ میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد جیسے ہی یزید بن عبدالملک نے خلافت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی۔ ابوبکر بن حزم کو ولایت مدینہ سے معزول کر کے ان کی جگہ عبدالرحمٰن بن الضحاک بن قیس الفہری کو والی مدینہ مقرر کر دیا۔ غرض ابوبکر بن حزم ولایت مدینہ سے ۱۰۱ھ میں معزول ہو چکے تھے اور ان کے بعد اسی ۱۰۱ھ میں عبدالرحمٰن بن الضحاک والی مدینہ مقرر ہوئے۔ ان کے بعد قاضی مدینہ سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ مقرر ہوئے۔

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ نے ان کے بیٹے عبد اللہ سے۔ لہ جو ان کی کتابوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ سب ضائع ہو گئیں۔

غرض ابوبکر بن حزمؒ نے جب ان مسائلِ قضا کو نہ روایت و تحدیث کی نیت سے جمع کیا تھا، نہ ان کی کوئی حفاظت کی، نہ اپنے صاحبزادے کو اس کی اجازت دی، نہ ان کے صاحبزادے جو ان کی وفات کے وقت کم سے کم ۴۵ سال کے تھے اور اپنے والد ہی کے وقت میں اکابر علماءِ مدینہ میں شمار کئے جاتے تھے انہوں نے اس کی پروا کی۔ تو پھر یہ کہنا کہ سب سے پہلے ابوبکر بن حزمؒ نے حدیثیں جمع کیں۔ کس قدر غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ روایت و جمع احادیث کے دَور کے آدمی ہی نہ تھے۔ جس عنوان سے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ان کو حکومت کے اقتدار کے ماتحت جمع حدیث کا حکم دیا تھا۔ اقتدارِ حکومت ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے وہ اس طرح جیسا کہ چاہتے تھے۔ اور جس عنوان سے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ان کو حکم دیا تھا۔ وہ حدیثیں جمع نہ کر سکے۔ اسی لئے معزولی کے بعد جمع احادیث کا خیال ہی دل سے نکال دیا۔ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے حکم سے پہلے تو جمع احادیث کا خطرہ بھی کبھی ان کے دل میں نہ گذرا ہوگا۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) جن کی وفات بروایت صحیحہ ۱۲۵ھ میں ہے اور ان کے بعد ان کے بیٹے ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف مدینے کے قاضی مقرر ہوئے۔ ان کی وفات ۱۸۳ھ میں ہوئی (تہذیب ج ۱۲ ص ۳۹۰) ابوبکر بن حزم، عمرہ بنت عبد الرحمٰن کے بھتیجے ہوتے تھے۔ (ترجمہ عمرہ تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۳۸)

لہ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۶۴) (حاشیہ صفحہ ہٰذا) لہ عبد اللہ بن ابی بکر بن حزمؒ بہت جلیل القدر عالم تھے اور امام مالکؒ کے شیوخ میں تھے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ ابن شہاب زہری کہتے تھے کہ مدینہ میں عبد اللہ جیسا کوئی بھی نہ تھا مگر وہ اپنے والد کے سامنے اپنے نام کو اونچا ہونے سے روکتے تھے۔ یہ ابن شہاب زہری کے شیوخ میں تھے اور خود بھی زہری سے روایت کرتے تھے۔ ان کے والد ابوبکر بن حزم نے مسائل قضاء کے جو نوٹ کتابی صورت میں جمع کئے تھے۔ ان کی کوئی اہمیت نہ خود ابن حزم کے ذہن میں تھی کہ اس کی حفاظت کرتے اور نہ عبد اللہ ان کے بیٹے کے ذہن میں تھی کہ یہ اس کو محفوظ رکھتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ عبد اللہ کے بچپن ہی میں وہ کتابیں ضائع ہو چکی تھیں تو اس کے معنے یہ ہوئے کہ ابن حزم نے اپنی وفات سے

باعث جمع احادیث

منافقینِ عجم جو فتح ایران کے بعد عہد فاروقی میں بارادۂ انتقام مدینہ طیبہ میں آکر منافقانہ اِسلام لانے اور مسلمانوں کے ساتھ گھل مل کر رہنے لگے جو سب سے پہلے حضرت فاروق اعظم رضہ کی شہادت کے باعث ہوئے ۔ پھر کچھ دنوں مسلمانوں میں اپنا اثر و رسوخ پیدا کر کے کوفہ و بصرہ و شام و مصر وغیرہ ممالک اسلامیہ میں پھیل کر اور کچھ مدینہ منورہ میں رہ کر طرح طرح کی پوشیدہ ریشہ دوانیاں کرتے رہے اور آخر تقریباً بارہ سال کی پوشیدہ سازشوں کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ برپا کر کے ان کو بھوکا پیاسا شہید کر ڈالنے میں کامیاب ہوئے اور پھر کچھ افراد حضرت علی رضہ کے ساتھ، کچھ افراد حضرت عائشہ رضہ کے ساتھ، کچھ افراد حضرت معاویہ رضہ کے ساتھ منافقانہ طرف دار بن کر جنگ وجمل وصفّین کی صُورت میں مسلمانوں کو باہم لڑا کر اپنی آتش انتقام ٹھنڈی کرتے رہے ۔ پھر بھی ان کا شیطانی ضمیر جو انتقامی دوزخ بنا ہوا تھا۔ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کی رٹ لگا تا ہی رہا ۔ چنانچہ جب انھوں نے دیکھا کہ فقط سیاسی فتنے برپا کرنے سے پوری کامیابی نہیں ہوتی تو ان کے کچھ افراد تو آئے دن نت نئے سیاسی فتنے برپا کر کے خلفائے وقت داعیانِ حکومت کے خلاف طرح طرح کی سازشیں اور اُن کے خلاف پروپیگنڈے کر رہی رہے تھے۔ کچھ افراد علماء و فقہاء کے زمرے میں داخل ہو کر ہر جگہ قال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کہہ کر جھوٹی جھوٹی باہم متضاد و متخالف حدیثیں بنا بنا کر رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اجلّہ صحابہ کرام رضہ اور امہات المؤمنین رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کیطرف منسوب کرنے میں مصروف ہو گئے ۔ خود تابعی بنے ہوئے تھے ہی اور اپنے منافقانہ ظاہری تقویٰ و عبادت کے اثر سے عام مسلمانوں میں

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کم و بیش تیس سال پہلے اپنی کتابوں کو ضائع کر ڈالا ۔ یعنے ضائع ہونے دیا اور پھر دوبارہ ان کیطرف کوئی توجہ نہ کی ۔ اس لئے کہ عبداللہ بن ابی بکر بن حزم رضہ کی ولادت ۶۵ھ یا ۶۰ھ کی ہے ۔ ابن حزم عبداللہ کی پیدائش کے بعد سے کم سے کم ۴۵ اور زیادہ سے زیادہ ۵۵ سال تک زندہ رہے ۔ عبداللہ کی وفات ۱۳۰ھ یا ۱۳۵ھ میں ہوئی ۔ دوسرا قول قوی کہا جاتا ہے

(تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۴ - ۱۲۵)

کافی رسوخ و اعتماد حاصل ہی کر چکے تھے۔ بس صرف کسی ایک صحابی کا نام لے لینا کافی تھا کہ ہم نے فلاں صحابی سے ایسا سنا۔ پھر ان کو کون جھٹلا سکتا تھا۔ اس وقت بعض صحابۂ کرام جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کم سن تھے۔ رہ گئے تھے۔ تو ان لوگوں کے نقار خانے میں ان کی طوطی جیسی آواز کیا سنائی دیتی۔ دوسری جگہ جاکر تو ان کی طرف بھی جھوٹی روایتیں منسوب کر کے بیان کیا کرتے ہی تھے کہ خراسان و نیساپور سے یہاں آکر ان سے تصدیق کون کرتا ہے۔ دلیری یہ تھی کہ خود ان کے سامنے بھی دوسرے صحابیوں کیطرف منسوب کر کر کے جھوٹی روایتیں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح مسلم کے مقدمہ میں امام مسلم رح لکھتے ہیں کہ مجاہد روایت کرتے ہیں کہ بُشیر ابن کعب العدوی، ابن عباس رض کے پاس آئے اور قال رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہہ کہہ کر حدیثیں بیان کرنے لگے۔ مگر ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کیطرف دھیان دیا تو کجا۔ نظر تک نہیں کرتے تھے تو اس نے کہا اے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ! کیا ہے کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کر رہا ہوں اور آپ متوجہ نہیں ہوتے؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پہلے جب کبھی کوئی قال رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہتا تھا تو میری نگاہیں اور میرے کان سب اس کیطرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ مگر جب دیکھا کہ لوگ ہر بُرے بھلے پر اُتر آئے ہیں۔ تو ہم اب دوسرے لوگوں سے نہیں لیتے اور جتنا بھر خود جانتے ہیں اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

اسی قدر نہیں۔ بلکہ آخر تنگ آکر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے روایت کرنا ہی ترک کر دی تھی۔ چنانچہ اسی حدیث سے دو حدیث قبل محمد بن عباد و سعید بن عمرو الاشعثی دونوں اپنے شیُوخ سے ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں۔ جس کے آخر میں یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے کہا کہ ہم لوگ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ بیان کیا کرتے تھے۔ مگر جب دیکھا کہ لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ لگانے لگے اور ہر بُرے بھلے پر اُتر آئے تو ہم لوگوں نے آپؐ کی حدیثیں بیان کرنا ترک کر دیں۔

(باب النھی عن الروایات عن الضعفاء والاحتیاط فی تحملہا)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے متعلق بھی روایت ہے کہ انہوں نے بعض لوگوں کو بلاکر ڈانٹا تھا کہ تم لوگ ایسی ایسی باتیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب کرتے ہو، جن کو ہم لوگ مدتوں صحبت نبوی (صلے اللہ علیہ وسلم) میں رہنے کے باوجود نہیں جانتے۔

اور یہ درحقیقت ایسی بات تھی جس کی پیشین گوئی خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرما گئے تھے اور اپنی امت کو اس فتنے سے ڈرا گئے تھے۔ جیساکہ مقدمہ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یکون فی اٰخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بمالم تسمعوا انتم ولا اٰباؤکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم وَلَا یَفتِنُونَکم (او کما قالَ صلیَ اللہ عَلَیہ وسلّم)

یعنی اس زمانے کے آخر میں ایسے ایسے دجّال وکذاب لوگ ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی ایسی حدیثیں پیش کریں گے جن کو نہ تم نے سنا اور نہ تمہارے آباء نے سنا تو اپنے

لہ کان محمد بن جبیر بن مطعم یحدث انہ بلغ معاویۃ رض وھم عندہ من وفد من قریش ان عبد اللہ بن عمرو یحدث انہ سیکون ملک من قحطان فغضب وقام واثنیٰ علی اللہِ بما ھو اھلہٗ ثم قال اما بعد بلغنی ان رجالا منکم یحدثون احادیث لیست فی کتاب اللہِ ولا یؤثر عن رسولَ اللہ صلَی اللہ عَلَیہ وسلّم واولٰئک جہالکم فایاکم والاَمانی التی تضل اھلہا (بخاری ب ۵۵ اکتاب الاحکام رواہ ابوالیمان عن شعیب عن الزہری۔ وایضاً کتاب المناقب باب مناقب قریش پ ۱ ص ۴۹۳) لہ فی اٰخر الزمان میں الف لام عہد خارجی کا ہے اسی لئے میں نے ترجمہ اس زمانے کے آخر میں کیا ہے۔ اس سے پہلے بھی ایک حدیث ہے جس میں فی آخر امتی آیا ہے۔ وہاں بھی امت موجودہ یعنے صحابہ رض ہی مراد ہیں۔ جس کی دلیل ایسی پیشین گوئی کا ظہور ہے کہ صحابہ کے آخر عہد ہی میں جھوٹی حدیثوں کی روایت شروع ہوگئی۔ ان حدیثوں سے زمانہ قرب قیامت مُرادلینا صحیح نہیں۔ اس لئے کہ جتنی حدیثیں بنانی تھیں وہ بن چکیں۔ اب تو انہیں کی روایت باقی رہ گئی ہے وہ بھی اشخاص سے سن کر نہیں بلکہ کتابوں میں دیکھ کر۔ اس لئے اب تو موجودہ راوی جبھی مورد الزام ہو سکتا ہے کہ کسی

کو ان سے بالکل بچائے رکھنا، کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈالیں۔

ان اور ان جیسی متعدد صحاح کی حدیثوں کی روشنی میں فتح ایران کے جذبۂ انتقام کے تحت بہ نیت تخریب دین و تفریق بین المسلمین منافقینِ عجم کی احادیث بافیوں اور روایات سازیوں کے فتنۂ عظیم کے رفتہ رفتہ تمام ممالک اسلامیہ پر چھا جانے اور تبع چند بقیۃ السّلف جو اکابر مسلمین اس فتنے کو واقعی فتنہ سمجھ رہے تھے۔ ان کے اس عہد میں ہراساں رہنے کا سارا منظر ہر صاحب نظرِ دین دار کی نگاہوں کے سامنے آج بھی پھرنے لگتا ہے۔ لسان العصر اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے کیا خوب رُباعی تحریر کی ہے۔

شیرازۂ اتحاد ہم سے چھوٹا　　آپس ہی کی خانہ جنگیوں نے لوٹا
قرآن کے اثر کو روک دینے کے لئے　　ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

چونکہ ایک طرف خلیفۂ وقت و عمال کے خلاف طرح طرح کے ناپاک سے ناپاک جھوٹے جھوٹے پروپیگنڈے جاری تھے جن کی وجہ سے عامۃ المسلمین اور علماء و صلحاء کے دلوں میں ان کی طرف سے نفرت کے جذبات رہ رہ کے اُبھرتے رہتے تھے اور دوسری طرف تخریب دین کے لئے طرح طرح کی متضاد و متخالف جھوٹی حدیثیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور اجلۂ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی طرف منسوب کر کے عامۂ مسلمین کو وحدتِ دینی کے شیرازے سے الگ کر کے فرقہ بندیوں میں مبتلا کر دینے کی کوشش جاری تھی۔

خلفاء و اُمراء ضرور اس کے خواہاں تھے کہ علماء و صلحا کے طبقے سے ان کا تعاون ہو۔ مگر علماء حق ہی آہوئے رم خوردہ کی طرح ان سے دُور بھاگتے رہے۔ ان کے سامنے محکمۂ قضا جو خاص ان کی چیز تھا۔ جب پیش کیا گیا تو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کوڑے کھائے مگر قاضی بننا گوارا نہ کیا کہ حکومت کے منشاء کے مطابق فتوٰی دینا پڑیں گے۔ حالانکہ ان کو محکمۂ قضا قبول کر لینا تھا اور وہی فتوٰی دینا تھا جو حق تھا۔ اگر حکومت کبھی اپنے باطل منشاء کے مطابق فتوے دینے پر [illegible] دالتی تو نہ مانتے اور اس کے لئے یہ کوڑے کھاتے تو ہر وہ کوڑا جوان پر اس وقت پڑ [illegible] اسلام کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہو کر کچھ ہی دنوں

کے بعد انہیں خلفاء و اُمراء کے لئے تازیانۂ عبرت ثابت ہوتا۔ مگر ان کے محکمۂ قضا قبول نہ کرنے کی وجہ سے زیادہ تر وہ لوگ جو علم و دیانت میں ان سے پست تھے۔ اس جگہ پر آگئے اور وہی ہوا جس سے یہ ڈرتے تھے۔ انہوں نے تخریب دین سے اپنے ہاتھوں کو تو بچایا۔ مگر دوسروں کو تخریب کا پورا موقع دے دیا۔ یہ ایسی فاحش خطائے اجتہادی ہمارے اکابر کی تھی جس کا خمیازہ آج تک ہم مسلمان بھگت رہے ہیں۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون

ان منافقین عجم نے ہر چند حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اہل بیت کی حمایت کا دام تزویر عامۂ مسلمین کے سامنے بچھا رکھا تھا اور بظاہر یہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حمایت میں سرگرم رہتے تھے۔ مگر جس قدر جھوٹی حدیثیں انہوں نے حضرت علی رضؓ کی طرف منسوب کیں کسی کی طرف بھی کسی دوسرے نے یا خود ان منافقین نے نہیں منسوب کی ہوں گی۔ تذکرۃ الحفاظ جلد اول صـ ۷۷ ترجمہ عامر بن شراحیل الشعبی میں ہے کہ خالد بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں حصین سے اور وہ عامر شعبی سے کہ انہوں نے فرمایا۔ ماکذب علیٰ احدٍ فی ھٰذہ الامۃ ماکذب علیٰ علیؓ رضؓ یعنے نہیں جھوٹ لگایا گیا اس امت میں کسی پر جتنا جھوٹ لگایا گیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر۔

آخر باخبر لوگ ان لوگوں کی روایتوں سے سخت احتیاط کرنے لگے۔ مقدمہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے لائے گئے تو انہوں نے بقدر ایک ہاتھ کے اس لمبے طومار سے رکھ لیا اور باقی سب کو محو کر دیا۔ پھر آگے ہے کہ ابوالہشام مغیرہ بن مقسم کہتے تھے کہ اصحاب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور جو شخص بھی کوئی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کرتا تھا تو اس کی تصدیق نہیں کی جاتی تھی۔ غرض پہلی صدی ہجری ہی کے اواخر میں فتنۂ روایات کا ایک زبردست سیلاب تقریبًا تمام ممالک اسلامیہ میں نہایت بُری طرح جاری تھا اور اس کے روک تھام کی نہ کوئی صورت تھی اور نہ کوئی اس کیطرف متوجہ ہوا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رح کا حکم جمع احادیث

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ۹۹ھ میں زمام

خلافت سنبھالی اور اس کے بعد انہوں نے عالم اسلامی کا جائزہ لیا تو سارے عالم پر فتنۂ روایات کا ایک خطرناک دامِ تزویر پھیلا دیکھ کر اسکے انسداد کو اپنا فریضۂ اوّلین محسوس کیا اور بہ تقاضائے مصلحت یہ تو ظاہر نہ کیا کہ ہم اس فتنے سے آگاہ ہو گئے۔ مگر ایک حکمنامہ مدینہ منورہ کے قاضی ابوبکر بن حزم کے پاس بھیجا کہ علماء کے گذر جانے سے علم بھی دنیا سے گذر جائے گا۔ مجھے اس کا ڈر ہے، اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں جو کچھ ملیں ان کو لکھ لو، اور بجز احادیث نبویہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اور کچھ نہ لکھا جائے۔

(صحیح بخاری باب کیف یقبض العلم کتاب العلم)

میں شروع ہی میں لکھ چکا ہوں کہ ابوبکر بن حزم مدینہ طیّبہ کے قاضی تھے۔ ان کے پاس اتنا وقت کہاں تھا کہ اتنا بڑا کام انجام دے سکتے اور پھر اس حکم کے کچھ ہی دنوں بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ انتقال فرما گئے اور فوراً ہی ابوبکر بن حزم اپنے عہدے سے معزول ہو گئے۔ اسلئے ابوبکر بن حزم اس مہم کو سَر نہ کر سکے اور یہ کام رہا ہی چاہتا تھا کہ انہیں منافقین عجم کی ایک جماعت نے اپنا رسوخ فی الدّین اور ظاہری زہد و تقویٰ دکھا کر ابن شہاب زہری کو جمع احادیث پر آمادہ کیا۔ یہ اپنے تجارتی و زراعتی کاروبار کی وجہ سے اپنے وطن ایلہ میں رہا کرتے تھے۔ مگر ایک بہت بڑی دینی خدمت سمجھ کر اس مہم پر آمادہ ہو گئے۔ اور ۱۰۱ھ کے بعد مدینہ آکر یہاں کے لوگوں سے حدیثیں لیں اور پھر کوفہ بصرہ مصر وغیرہ مقامات سے بھی روایتیں حاصل کیں اور ہر راہ چلتے سے جو حدیث بھی مل جاتی۔ لکھ لیتے اور یاد کر لیتے اور وہی منافقین خود بھی پھر ان کے پاس آ آ کر حدیثیں لکھوانے لگے اور دوسرے وضاعین اور کذابین کو ان کے پاس بھیج بھیج کر ان سے بھی حدیثیں ان کے پاس جمع کرانے لگے۔

ابن شہاب زہری کا انتخاب

قرینہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک ابن شہاب زہری کے والد مسلم بن عبید اللہ زندہ رہے۔ وہ اپنے وطن ایلہ میں اپنے کاروبار کے نگران رہے اور یہ حضرت علی بن الحسین (زین العابدین رحمہ) کی صحبت میں رہے۔ جب ان کے والد کی وفات ہو

گئی۔ (سنہ ۸۰ھ کے لگ بھگ) تو ان کو پھر قبل وفات [1] حضرت علی بن الحسین رضی اللہ عنہ مقام ایلہ میں اپنے کاروبار کی وجہ سے اقامت کرنا پڑی۔ بہرحال یہ حضرت زین العابدین علی بن الحسین رض کے خاص اصحاب اور ان کے معتمدین میں شمار کئے جاتے تھے۔ اس لئے شیعوں میں بھی ان کی ایک امتیازی حیثیت تھی۔ یہاں تک کہ متقدمین شیعہ ان کو اپنی ہی جماعت کا ایک فرد فرید سمجھتے تھے۔ مگر اپنے کو یہ شیعہ نہیں کہتے تھے بس لئے اہلِ سنت ان کو اپنی جماعت میں داخل سمجھتے تھے۔ شیعوں میں تو ایسا شخص جو اپنے کو سُنّی ظاہر کرتا ہوا سُنّیوں میں سنّی ہی جیسی باتیں کیا کرے مگر سادہ ہی عوام اور کم علم اہل سنت میں شیعیت کی تخم ریزی کا فرض انجام دیتا ہے۔ دراصل ان کی جماعت کا مجاہد اکبر سمجھا جاتا ہے۔ ان کے علماءِ متاخرین کبھی ایسے شخص کو علانیہ عام طور سے اپنی جماعت کا آدمی نہیں کہتے کہ کہیں اہل سُنّت اس سے بھڑک نہ جائیں۔ البتہ اپنے ناواقف افراد کی اطلاع کے لئے اپنی بعض بعض کتابوں میں ایسے لوگوں کا مختصر سا ذکر کر دیتے ہیں اور کہیں اسکے نام کے بعد تقیہ کی علامت "ق" یا ممدوح " وغیرہ قسم کے الفاظ لکھ دیتے ہیں۔ بہرحال یہ تو کئی صدی بعد کی باتیں ہیں۔ اُس دور میں تو شیعہ و سنّی کا کوئی ظاہری تفرقہ بھی نہ تھا اس لئے اگر اس وقت ابن شہاب زُہری دونوں جماعتوں میں ممدوح و معتمد رہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی وجہ سے جماعتِ منافقین نے اس کام کے لئے انہیں کو منتخب کیا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ذہانت و فطانت اور غیر معمولی قوت حافظہ کی وجہ سے ان کا انتخاب ایک کامیاب انتخاب ہوا۔

ایک غلط اِدّعا

بعض متأخرین [2] نے اپنی کتابوں میں لکھ دیا ہے کہ ابن شہاب زہری نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ

---

[1] حضرت زین العابدین علی بن الحسین رح کی وفات سنہ ۹۵ھ یا سنہ ۹۲ھ میں ہوئی لیکن امام بخاری اوسط میں سنہ ۹۲ھ لکھتے ہیں۔ دیکھو تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۲۲ [2] جیسا کہ علامہ سیوطی نے اپنی کتاب الرسائل فی معرفۃ الاوائل میں لکھ دیا ہے کہ اول من دون الحدیث ابن شہاب زہری فی خلافۃ عمر بن عبد العزیز بامرہ یعنے سب سے پہلے حدیث جس نے مدون کی وہ ابن شہاب زہری ہیں جنہوں نے عمر بن عبد العزیز رح کے حکم سے حدیث جمع کی بس کو ابن حجر نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے اور یہ عبارت مولانا عبد الحی نے التعلیق المجید میں نقل کی ہے۔ مقدمہ موطا امام محمد ص ۱۲

کے حکم سے حدیثیں جمع کرنا شروع کی تھیں۔ یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ نے بذاتہٖ خود ان کو جمع احادیث کا حکم دیا تھا۔ یہ بالکل غلط اور ایک دعویٰ بلا دلیل ہے۔ یہ ممکن ہے کہ جب لوگ ان کو جمع احادیث سے منع کرتے ہوں گے۔ تو یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ کے حکم جمع حدیث جو انہوں نے ابوبکر بن حزم کو دیا تھا۔ اس کو سندِ جواز میں پیش کرتے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ بہرحال یہ لکھنا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ کے حکم سے زہری نے حدیثیں جمع کرنا شروع کی تھیں۔ ہرگز صحیح نہیں

ابن شہاب زہری سے پہلے کتابت روایات و احادیث

مؤرخین کتابت حدیث کے ثبوت میں حدیث ہی کی بعض آحاد روایتیں پیش کر دیا کرتے ہیں۔ جو لوگ حدیثوں کی روایات کو مستقل دینی حجت سمجھتے ہیں۔ وہ ضرور ایسی روایاتِ کتابت پر ایمان لے آ سکتے ہیں۔ مگر جو لوگ کسی قول یا کسی روایت کے فقط منسوب بہ رسول ہو جانے کی وجہ سے اس کو بلا ثبوت محض رجماً بالغیب حجت و سند نہیں سمجھتے۔ اس پر اس طرح کا "مصادرہ علی المطلوب"[1] کیا اثرانداز ہو سکتا ہے۔

عہدِ نبوی میں ماسوٰی قرآن کی کتابت

کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ آپ کے پاس قرآن کریم کے ماسوا بھی کچھ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس قرآن کریم کے سوا کچھ نہیں، بجز اس فہم سلیم کے جو قرآن کریم کے متعلق مجھ کو ملا ہے اور اس صحیفے کے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ چند اوراق تھے یا ایک ورق تھا جس کو حضرت علیؓ اپنی تلوار

---

[1] مصادرہ علی المطلوب یہ علم منطق و استدلال و مناظرہ کی ایک مشہور اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دعوے یا دعوے کے بعض حصوں کو دلیل قرار دیدیا جائے۔ حدیثوں کو حجت قرار دینے کے ثبوت میں حدیثیں ہی پیش کرنا اسی قسم کا استدلال ہے۔ جو شخص سرے سے حدیثوں کو حجت ماننا ہی نہیں، وہ ان حدیثوں کو جو حجیت یا کتابت حدیث کے ثبوت میں پیش کی جا رہی ہیں۔ کب حجت تسلیم کریگا۔

کی کاٹھی میں رکھتے تھے جس میں بعض سیاسی و معاشرتی ہدایتیں تھیں۔ یہ روایت خاص کوفے کے ٹکسال میں گھڑی گئی۔ امام بخاری رحہ کے شیخ کے سوا اور تقریباً سب کے سب اس کے راوی کوفی ہیں۔ خود ابن حجر فتح الباری میں اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ رواتہ کلُّھم کوفیون سوٰی شیخُ البخاری اور کوفے کے ٹکسال کا حال معلوم کرنا ہو تو میرے دوسرے مضامین دیکھ جائیے۔ یہ روایت صرف اس لئے بنائی گئی ہے تاکہ اس کا ثبوت ہو سکے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے۔ اور آپ سمجھتے تھے کہ میرے بعد میری وصیت کے مطابق صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہی میرا خلیفہ بنائیں گے۔ اسی لئے آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے یہ وصیّت نامہ صرف حضرت علی رض کو دیا اور کسی کو نہیں دیا۔ بلکہ کسی دوسرے کو اس کے مضامین کی اطلاح تک نہ دی۔

حدیث قرطاس اسی طرح قرطاس والا واقعہ ہے جو اگرچہ آحاد در آحاد ہے اور زہری ہی کی روایت ہے۔ وہ بھی مرسل [1] جس کو ابن حجر نے بمنزلۃ الرّیح قرار دیا ہے۔ مگر شیعہ وسنّی کے مناظرات تحریری و تقریری کی وجہ سے چند صدیوں سے اس کی کافی شہرت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے چار پانچ یوم پیشتر حاضرین سے کہا کہ کاغذ دوات لاؤ کہ ہم تم کو ایسی چیز لکھوا دیں کہ تم لوگ میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو۔ اس پر حضرت عمر رض نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر درد (مرض) غالب آگیا ہے اور ہم لوگوں کے لئے کتابُ اللہ کافی ہے۔ اس کہنے کی وجہ سے حاضرین کی آپس میں اختلاف رائے اور قیل وقال کی آوازیں بلند ہوگئیں جس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رنجیدہ ہو کر فرمایا کہ نکلو یہاں سے۔ میرے پاس جھگڑنا سزاوار نہیں ہے۔ پھر ابن عباس رض یہ کہتے ہوئے اُٹھے کہ مصیبت اور پوری مصیبت ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اس ہدایت نامے کے درمیان جو آپ

---

[1] اس حیثیت سے کہ یہ روایت زہری عروہ بن الزبیر سے کرتے ہیں اور عروہ سے زہری کی لقا ثابت نہیں اس پر سیر حاصل بحث شیوخ زہری کے ضمن میں آتی ہے۔

لکھوانا چاہتے تھے کون سی چیز حائل ہو گئی۔ یہ روایت صرف ابن عباس رضؓ سے مروی ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بروایت صحیحہ صرف تیرہ برس کے تھے[1] ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ غندر نے کہا کہ ابن عباس رضؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نو حدیثوں سے زیادہ نہیں سنیں اور یحییٰ بن القطان فرماتے ہیں کہ دس سے زیادہ نہیں سُنیں۔ اور امام غزالی رحمۃ اللہ مستصفی میں لکھتے ہیں کہ چار حدیثوں سے زیادہ نہیں سنیں اور تمام قولی و فعلی حدیثیں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جناب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ روایت کرتے ہیں۔ وہ سب اسی تعداد میں شامل ہیں۔ اس کے بعد ابن حجر رحؒ لکھتے ہیں کہ صحیحین میں دس سے زیادہ حدیثیں ہیں۔ جن میں سماع کی تصریح موجود ہے اور غیر صحیحین میں تو اور زیادہ ملیں گی۔ اس لئے ان لوگوں کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ غندر یعنے محمد بن جعفر الہذلی البصری رحمۃ اللہ بڑے پایہ کے محدّثین میں ہیں۔ بیس برس تک امام شعبہ رحؒ کے زیر تربیت رہے۔ امام احمد بن حنبل رحؒ، یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی جیسے اکابر محدّثین و ائمۂ رجال کے شیوخ میں تھے۔ ان کی وفات ۱۹۲ھ میں حسب روایات امام بخاری رحؒ، امام بخاری رحمۃ اللہ کی پیدائش سے دو برس پہلے ہوئی۔ اسی طرح یحییٰ بن سعید القطان مشہور و معروف امام حدیث و رجال ہیں۔ یحییٰ بن معین و علی

[1] استیعاب میں حافظ ابن حجر رحؒ لکھتے ہیں کہ ابن عباسؓ شعب ابی طالب میں پیدا ہوئے۔ بنی ہاشم کے شعب کے نکلنے سے پیشتر اور یہ واقعہ ہجرت سے تین سال پہلے کا ہے۔ پھر ابن عباس رضؓ نے اپنی عمر بوقت وفات نبوی دس سال بتائی اور بعض روایتوں میں ہے کہ تیرہ سال بتائی اور بعض میں ہے کہ پندرہ سال بتائی۔ امام احمد رحمۃ اللہ آخری قول کو صحیح بتاتے ہیں مگر ولادت کے حساب سے تیرہ سال والا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ان کی عمر ستّر سال اور بروایتے بہتر سال تھی۔ وفات ۶۸ھ اور بروایتے ۶۹ھ میں ہوئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ابن عباس رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات جب ہوئی تو میرا ختنہ ہو چکا تھا۔ غرض یہ وفات نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت تیرہ سال سے زیادہ کے نہ تھے۔

بن المدینی جیسے اکابر علمائے حدیث و رجال کے شیوخ میں ہیں۔ امام شعبہ و سفیان ثوری رح جو ان کے شیوخ میں تھے، وہ بھی ان سے روایت کرتے تھے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ کے خاص شاگردوں میں تھے ۱۹۸ھ میں وفات پائی۔ ان کی وفات کے وقت امام بخاری رحمۃ اللہ چار برس کے تھے۔ غرض غندر رح اور یحیی القطان دونوں ہی امام بخاری رح اور امام مسلم رح دونوں ہی سے کافی متقدم اور دونوں کے شیوخ یعنی بعض شیوخ کے شیوخ میں ہیں۔ اور تحقیق احادیث و رجال میں بخاری و مسلم سے بلند پایہ ہیں۔ وہ دونوں کتنے تابعین اور اکابر تابعین کے فیض یافتہ صحبت تھے۔ اور ابن عباس رض اور ان روایتوں کے حال سے وہ دونوں امام بخاری رح و مسلم سے زیادہ واقف تھے۔ اس لئے بخاری و مسلم میں بلاواسطہ خاص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے جو ان کی روایتیں ہیں بخوبی ممکن ہے کہ مرسل ہوں یا راویوں نے ان روایتوں کو مرفوع بنا دیا ہو۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ امام بخاری و مسلم متأخر ہیں۔ اس لئے ان کو تحقیق کا زیادہ موقع ملا۔ اپنے اسلاف کی تحقیقات سے بھی متمتع ہوئے اور پھر خود بھی مزید تحقیق کی اس لئے متاخرین اپنے متقدمین سے تحقیق میں بڑھ گئے۔ تو پھر امام غزالی تو بخاری و مسلم دونوں سے متاخر اور بہت متاخر ہیں۔ امام بخاری رح کی پیدائش ۱۹۴ھ مادہ تاریخ "صدق" ہے اور وفات ۲۵۶ھ میں مادہ تاریخ "نور" ہے اور امام مسلم کی ولادت ۲۰۴ھ مادہ تاریخ "دُرّ" ہے اور وفات ۲۶۱ھ اور مادہ تاریخ رأس ہے اور امام ابو محمد الغزالی رحمۃ اللہ کی ولادت ۴۵۰ھ مادہ تاریخ "نقش" اور وفات ۵۰۵ھ مادہ تاریخ "ارشد" ہے۔ اس لئے انہوں نے پوری طرح متقدمین کی تحقیقوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کافی غور و خوض کے بعد یہ رائے قائم کی، نہ دس حدیثیں نہ نو۔ بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بلاواسطہ خاص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے صرف چار ہی حدیثیں سُنیں۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ امام غزالی علیہ الرحمہ نے صرف قولی حدیثوں کو شمار کیا اور غندر رض نے قولی و

وفعلی دونوں کو، اور یحییٰ بن سعید القطان نے قولی وفعلی تقریری سب حدیثوں کو۔ واللہ اعلم بالصواب

غرض معلوم نہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت قرطاس کس قسم کی ہے۔ واقعی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کی یا ان پر اتہام ہے یا کسی دوسرے سے سن کر انہوں نے بیان کر دی۔ مگر زیادہ قرینہ یہی ہے کہ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ پر محض بہتان ہے۔ اگر ایسا واقعہ ہوا ہوتا۔ تو یقیناً ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سوا دوسرے صحابہ رضہ سے بھی اس کی روایت ہوتی۔ [1]

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے زیادہ کثیر الحدیث کوئی صحابی نہیں ہے۔ بجز حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔ مگر واقعہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضہ سے پانچ ہزار تین سو حدیثیں مروی ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضہ سے کل سات سو حدیثیں۔ حافظ ابن حجر رحہ نے اس کی متعدد تاویلیں کی ہیں مگر سب رکیک خصوصاً جب اس کا خود وہ اعتراف کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھی کتابیں تھیں جن میں ان کی حدیثیں لکھی ہوئی تھیں۔ توان کی ساری تاویلیں لا یعنی ثابت ہو جاتی ہیں۔

جمع احادیث یا کتابت حدیث کی روایتیں خاص عہد نبوی میں اور بھی پیش کی جاتی ہیں مگر خود محدثین اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ روایتیں ضعیف ہیں۔ اس لئے ان کی تنقید کی ضرورت نہیں۔ البتہ منع کتابت کی وہ حدیث جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ مجھ سے سُن کر قرآن کریم کے سوا کچھ نہ لکھو۔ اور جس نے لکھا ہو وہ اس کو محو کر دے، ضرور صحیح ہے مگر اسکے مخاطب صرف کاتبینِ وحی تھے کیونکہ کاتبین وحی اگر وحی کے علاوہ آپ کی اور باتیں بھی لکھتے۔ تو اس کا سخت خطرہ تھا کہ کسی وقت خود

---

[1] حدیث قرطاس کے متعلق یہی تحقیق علامہ شبلی رحہ نے بھی اپنی کتاب الفاروق میں بیان کی ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ (طاہر)

ان کو شبہ ہو جاتا کہ یہ جو میں نے لکھا ہے۔ یہ وحی میں داخل ہے یا وحی سے خارج۔ اس لئے کاتبینِ وحی کو قرآن کے سوا آپ کی اور باتوں کے لکھنے کی ممانعت بالکل قرین عقل و مبنی بر مصلحت تھی۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں ہے کہ حضرت معاویہ رضؓ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث پوچھی۔ جب انہوں نے بیان کی تو حضرت معاویہ رضؓ نے ایک شخص سے لکھ لینے کو کہا۔ زید رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو حدیث لکھنے سے منع کیا تھا۔ تو حضرت معاویہ رضؓ نے جو لکھوایا تھا اس کو محو کرا دیا۔ حضرت زید بن ثابت رضؓ کاتب وحی تھے۔ اس لئے ان کو منع فرمایا تھا مگر زید رضؓ فقیہ نہ تھے اس لئے اس کو عام ممانعت سمجھے اور حضرت معاویہ رضؓ کی فراست اور ان کا تفقہ ہر چند مشہور ہے مگر حکم اللہ اور رسول کے آگے سر جھکا دینے کی خو تھی اس لئے محو کرا دیا۔ وہ یہ سمجھے کہ ہم اس کے لکھ لینے اور محفوظ رکھنے پر مامور نہیں ہیں۔ اگر نہ لکھ رکھا تو کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ اور اگر زید ہی کا تفقہ صحیح ہے تو لکھ رکھنے پر ضرور باز پرس ہوگی۔

اگر صحابہ کرام رضؓ نے کچھ حدیثیں جمع کی تھیں تو یا تو اس خیال سے کہ کہیں یہ صحیفہ آگے چل کر باعث فتنہ نہ ہو، انہوں نے خود اپنے ہی وقت میں ان کو ضائع کر دیا۔ جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے پانچ سو حدیثیں جمع کی تھیں مگر ان کو خود ہی جلا ڈالا کہ مبادا اس کے بعد کوئی فتنہ ہو، اور عند اللہ اس کا ذمہ دار میں ٹھہروں۔ ؎ یا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں تمام صحابہ کرام رضؓ سے ان کے لکھے ہوئے مجموعات احادیث کو لے کر ضائع کر دیا۔ اور کہا کہ حسبنا کتاب اللہ، ہم مسلمانوں کے لئے کتاب اللہ کافی ہے۔ ان صحیفوں کی اگر ضرورت ہوتی تو ان کے لکھنے اور احادیث کے مدوّن کرنے کا حکم ہوتا۔ جب اس کا حکم نہیں ہوا تو ان کے نہ رکھنے کا کوئی الزام نہیں اور رکھنے کا الزام ہو سکتا ہے اس لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد کسی صحابی کا کوئی مجموعۂ احادیث دنیا میں باقی

؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵

نہ رہا۔ (طبقات ابن سعد مصنف عبد الرزاق)

میرے دوست ڈاکٹر زبیر صدیقی اپنے مقالہ القول الحثیث میں بعض صحابہ کرام رضہ کے صحف احادیث کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ تابعین و تبع تابعین کے عہد تک باقی رہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضہ بن العاص والے صحیفے کا ذکر فرماتے ہوئے بحوالہ المطالعات الاسلامیہ لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کا وہ صحیفہ ان کے پوتے عمرو بن شعیب نے پایا۔ اس میں شک نہیں کہ عمرو بن شعیب کے پاس ایک صحیفہ ضرور تھا مگر یہ وہی صحیفہ اگر ہوتا تو تمام محدثین کا سرمایہ استنادہ ہوتا۔ حالانکہ یہی صحیفہ ان کی تضعیف کا باعث ہوا اور محدثین میں عمرو بن شعیب اسی صحیفہ کی وجہ سے بدنام اور متہم رہے۔ تفصیل تہذیب التہذیب لہ ترجمہ عمرو بن شعیب میں مذکور ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے۔

ڈاکٹر زبیر لکھتے ہیں کہ جابر بن عبد اللہ رضہ کے پاس ایک صحیفہ تھا اور یہ وہی تھا۔ جس سے مجاہد و قتادہ رضہ روایت کیا کرتے تھے۔ اور جس کو قتادہ رضہ نے حفظ کر لیا تھا۔ اور اپنے اس دعوی کی سند کے لئے طبقات ابن سعد جلد ۷ صہ ۲۴۴ اور تذکرۃ الحفاظ جلد اول صہ ۱۱۰ کا حوالہ دیا ہے۔ تذکرۃ الحفاظ کے صفحۂ مذکورہ میں تو کچھ نہیں ہے۔ البتہ صفحہ ۱۱۶ میں بضمن ترجمہ قتادہ بن دعامہ اتنا ہے کہ " ان کے سامنے صحیفۂ جابر ایک بار پڑھا گیا تو انہوں نے اس کو حفظ کر لیا " اور بس نہ یہ مذکور ہے کہ صحیفۂ جابر میں قرآن کریم کی سورتیں تھیں یا حدیثیں۔ نہ یہ مذکور ہے کہ قتادہ اس صحیفے سے روایت کیا کرتے تھے۔ اور طبقات ابن سعد جلد ۷ صفحہ ۲۰۱ ترجمہ قتادہ میں ہے کہ معمر رضہ نے کہا کہ قتادہ رضہ نے سعید بن عروبہ رضہ سے کہا کہ مصحف ہاتھ میں لو اور سورۂ بقرہ حضرت قتادہ رضہ نے زبانی پڑھا تو ایک حرف کی بھی غلطی نہیں کی۔ حضرت قتادہ رضہ نے سعید بن عروبہ رضہ سے پوچھا کہ میں نے صحیح یاد کیا ہے تو سعید رضہ نے کہا کہ ہاں۔ حضرت قتادہ رضہ نے کہا کہ صحیفہ دیکھ کر یہ نہیں (یعنے قرآن دیکھ کر میں نے یاد نہیں کیا ہے) بلکہ سورہ بقرہ قتادہ رضہ کے سامنے پڑھا گیا تھا۔ (یعنے صرف سُن کر یاد کر لیا تھا) قتادہ رضہ نے درمیان میں بطور جملہ معترضہ کے یہ بھی کہا کہ) جابر بن عبد اللہ رضہ

سورہ بقرہ کے مجھ سے زیادہ حافظ تھے۔ طبقات کی اصل عبارت یہ ہے۔ قال معمر وقال قتادۃ رضہ لسعید بن ابی عروبۃ یا ابا النضر (سعید رضہ کی یہ کنیت تھی) خذ المصحف قال (ای المعمر) فعرض علیہ سورۃ البقرۃ فلم یخطأ فیہا حرفًا واحدًا قال (ای المعمر) فقال (ای قتادہ) یا ابا النضر احکمت؟ قال نعم۔ قال (ای قتادۃ رضہ) لا بالصحیفۃ "جابر بن عبد اللہ احفظ منی لسورۃ البقرۃ (یہ جملہ معترضہ تھا) قال (ای المعمر) وکانت قرئت علیہ [1] (ای سورۃ البقرۃ یہی طبقات کی عبارت ہے جس سے ذہبی نے قتادہ کے ترجمہ میں لکھ دیا۔ کہ قرئت علیہ صحیفۃ جابر رضہ مرۃ فحفظہا (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۱۶) اور میرے دوست ڈاکٹر صدیقی نے لکھ دیا کہ وایضًا کانت صحیفۃ عند جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ وھی التی کان یروی منہا مجاھد وقتادۃ رضہ وکان حفظہ (القول الحثیث ص۹) بس الصحیفۃ کا لفظ اور جابر بن عبد اللہ کا نام ساتھ ساتھ آگیا۔ چاہے الصحیفۃ معرف باللام ہی ہی مگر دونوں میں ترکیب اضافی قائم کرلی گئی۔ یہ قصور ہمارے ڈاکٹر صاحب کا نہیں ہے بلکہ ذہبی رح کا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے صرف اتنا اضافہ کردیا ہے کہ "اسی صحیفہ سے مجاہد و قتادہ رضہ روایت کیا کرتے تھے" ابن سعد سے کئی صدی صدی متاخر ذہبی رح تھے۔ انہوں نے ابن سعد رح پر ایک حاشیہ چڑھا دیا تو ذہبی رح سے کئی صدی متاخر ڈاکٹر صدیقی ہیں۔ یہ کیوں پیچھے رہ جاتے۔

یہ تو قتادہ رضہ کا معاملہ ہوا۔ اب مجاہد رح کا حال بھی سُن لیجیئے۔

مجاہد رح کے ترجمے میں ذہبی رح نے نہ کسی صحیفے کا ذکر کیا ہے نہ جابر کا البتہ ابن سعد رح ج ۵ ص ۳۴۴ میں لکھتے ہیں کہ اخبرنا ابو بکر بن عیاش قال قلت للاعمش مالھم یتقون تفسیر مجاھد؟ قال کانوا یرون انہ یسأل اھل الکتاب۔ قال و قال غیر ابی بکر کانوا یرون ان مجاھد ایحدث عن صحیفۃ جابر۔ ترجمہ: ہمیں ابوبکر بن عیاش رضہ نے خبر دی کہ میں نے اعمش سے پوچھا کہ لوگ مجاہد رح کی تفسیر سے احتیاط کیوں

[1] کانت قرئت کی ضمیر اگر سورہ بقرہ کے عوض کسی صحیفہ ہی کیطرف خواہ مخواہ پھیری جائے تو وہ صحیفہ قرآن ہی کا کوئی نسخہ ہوگا جس میں سے سورہ بقرہ کسی نے قتادہ رضہ کے سامنے پڑھا ہوگا نہ کہ صحیفہ احادیث

کرتے ہیں۔ تو اعمش نے کہا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اہلِ کتاب سے پوچھا کرتے تھے اور ابوبکر کے سوا دوسروں نے کہا کہ لوگ سمجھتے تھے کہ وہ صحیفۂ جابر رض سے حدیثیں لایا کرتے تھے۔

اب ذرا غور فرمایئے کہ یہاں جابر" سے کون جابر مراد ہیں۔ جابر بن عبداللہ صحابی یا کوئی اور جابر؟ اول تو جابر بن عبداللہ صحابی رض کا کوئی صحیفۂ احادیث تھا ہی نہیں ذہبی رح نے ابن سعد کی عبارت سے غلط فہمی میں آکر خواہ مخواہ ایک صحیفۂ جابر بنا لیا۔ اور بالفرض اگر کوئی صحیفہ ہو بھی تو اس میں قرآن لکھا ہوا تھا نہ کہ حدیثیں۔ جیسا کہ قتادہ رض کے مذکورہ بالا جزء ترجمہ سے معلوم ہوا کہ قتادہ رض نے سورہ بقرہ کے حفظ کے سلسلے میں لانا بالصحیفۃ اور جابر بن عبداللہ احفظ مِنّی بسُورۃ البقرۃ کہا تھا۔ تو اگر اس کو بصحیفۃِ جابر بن عبد اللہِ کا مرکب اضافی بنایئے تو وہ صحیفۂ قرآن ہوگا نہ کہ صحیفۂ احادیث

دوسرے یہ کہ اگر واقعی جابر بن عبداللہ کا کوئی صحیفۂ احادیث تھا اور اس صحیفہ سے مجاہد رح اپنی تفسیر میں حدیثیں لاتے تھے تو ایسی تفسیر تو بہت زیادہ مقبول ہونی چاہیئے تھی اور مستند سمجھی جانی چاہیئے نہ کہ اس کی وجہ سے لوگ مجاہد رح کی تفسیر سے احتیاط کرنے لگیں۔ اس لئے یقیناً یہ "جابر" وہ جابر بن عبداللہ صحابی نہیں ہیں۔ بلکہ جابر ابن یزید الجعفی ہے جو مشہور محدّث مگر اول درجہ کا کذّاب اور مفتری تھا اور مجاہد رح کا ہم عصر تھا۔ مجاہد رح نے اس کی روایت کردہ حدیثیں اپنی تفسیر میں داخل کر دی تھیں۔ اسی لئے لوگوں نے ان کی تفسیر سے احتیاط برتی۔

جعفر بن جعفی کا انتقال اگرچہ مجاہد کے انتقال کے تقریباً ۲۴ سال بعد ہوا ہے۔ مگر دونوں ہمعصر ضرور تھے اور جابر کی روایتیں ہی ایسی ہوا کرتی تھیں۔ کہ اسکے ہمعصر باوجود اس کو کذّاب جاننے کے اس کی حدیثیں لکھ ہی لیا کرتے تھے۔ مزید تفصیل تہذیبُ التہذیب[1] میں ترجمہ جابر بن یزید الجعفی دیکھ لیجیئے

میرے دوست ڈاکٹر صدیقی نے صحیفۂ ہمام بن منبہؓ کا بھی ذکر اسی صفحہ میں کیا ہے کہ وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے صحیفے سے ماخوذ تھا اور تہذیب التہذیب

---

[1] جلد ۲ ص ۴۶ اور اگر واقعی حضرت جابر بن عبداللہ کا کوئی صحیفہ ہوتا تو پھر ان کے ترجمے میں ائمہ رجال اس کا ذکر کیوں نہ کرتے

جلد ۱۱ ص ۲۷ کا حوالہ دیا ہے مگر میں نے تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۷ ہی نہیں، بلکہ ترجمہ ہمام بن منبہ کو بھی دیکھا۔ اس مفہوم کا کہیں پتہ نہ ملا۔

البتہ صحیفۂ عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور صحیفہ ابو ہریرہ رض و صحیفۂ سعد بن عبادہ رض و صحیفۂ سمرہ بن جندب رض، و صحیفہ عبد اللہ بن ابی اوفیٰ اور کتب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جو ایک اونٹ کے برابر تھیں۔ ان کا ذکر مختلف کتابوں میں ضرور ہے جن کا ذکر ہمارے دوست ڈاکٹر صاحب نے بھی فرمایا ہے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ صحیفے دنیا سے آخر اس طرح کیوں ناپید ہو گئے کہ ان کا ایک ورق بھی کہیں موجود نہیں آج ہی نہیں۔ بلکہ امام بخاری و امام مسلم رحمہم اللہ بلکہ ان سے پہلے امام مالک رحمۃ اللہ کو بھی ان کا ایک ورق تک نہیں ملا۔ حد یہ ہے کہ سب سے پہلے جامع احادیث ابن شہاب زہری کو بھی ان صحائف و کتب کے کسی ایک ورق کے بھی دیکھنے کا شرف حاصل نہ ہوا۔ آج عہد صحابہ کا لکھا ہوا قرآن مجید چودھویں صدی ہجری میں موجود ہے۔ مگر دوسری صدی کے اوائل ہی میں حدیثوں کے ان تمام ذخائر کا ایک ایک ورق ایسا ضائع ہو گیا کہ جامعین احادیث میں سے کسی ایک کو بھی ان میں سے ایک پرزے کی بھی زیارت نصیب نہیں ہوئی۔ آخر یہ کیوں؟

حقیقتِ حال

حقیقت یہ ہے کہ اکثر اقوال تو ان صحائف کے متعلق سرے سے غلط ہیں اور بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ نے جو کچھ جمع کیا تھا۔ اس کو بخوفِ فتنہ یا تو خود انہوں نے جلا دیا۔ یا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جلوا دیا۔ اس لئے ان میں کا ایک ورق بھی باقی نہ رہا۔ خلافت فاروقی کے بعد ان صحائف میں سے کسی ایک کے وجود کا بھی ذکر صحیح نہیں ورنہ پھر یہ بتانا ہوگا کہ ایسی مغتنم چیزوں کی حفاظت بعد والوں نے کیوں نہ کی؟ اور ان کی نقل در نقل ہو کر ان کی اشاعت کیوں نہ ہوئی؟ اور ان جامعین احادیث یعنی زہری اور ان کے معاصرین و تبعین نے ان کو کیوں نہ دیکھا؟ اور اگر دیکھا تو ان کی نقل کیوں نہ کی اور ان کا ذکر کیوں نہ کیا اور ان کو محفوظ کیوں نہ رکھا؟

بات یہ ہے کہ کتابت احادیث کو مستند و مسنون قرار دینے کے لئے یہ سب روایتیں بنائی گئیں کہ فلاں کے پاس فلاں کا صحیفہ تھا اور فلاں کے پاس فلاں کا۔ اگر تھا تو فلاں کے بعد ناپید کیوں ہو گیا:

ابن شہاب زُہری کے شیوخ

زہری کے شیوخ کی صحیح تعداد بتانا بہت مشکل ہے۔ انکی تمام روایتوں کا تتبّع کیا جائے تو ممکن ہے کہ یہ مشکل حل ہو سکے۔ پھر بھی یہ پتہ لگانا تقریبًا محال ہے کہ یہ کس سے واقعی سُن کر روایت کر رہے ہیں اور کس سے ارسال کر رہے ہیں یعنے درمیانی واسطے چھوڑ کر اپنی سماعتِ حدیث کو اپنے شیخ کے شیخ کی طرف کہاں منسوب کر رہے ہیں۔

پہلی صدی کے آخر یعنے ۱۰۰ھ میں یا اسکے بھی کچھ بعد انہوں نے جمع و تدوینِ احادیث کا کام شروع کیا۔ اس لیے جو لوگ ۱۰۰ھ سے پہلے وفات پا چکے۔ ان سے احادیث لینے کا ان کو تقریبًا بالکل موقع نہیں ملا۔ البتہ برسبیل تذکرہ اگر کوئی حدیث ان لوگوں میں سے کسی نے اتفاقًا ان سے کبھی بیان کی ہو اور بلفظہٖ پورے سلسلہ اسناد کے ساتھ ان کو وہ یاد بھی رہ گئی ہو تو ممکن ہے کہ ایسی دس پندرہ یا کچھ زیادہ حدیثیں ایسے لوگوں سے ان کے پاس امکانِ صحت کے ساتھ ہوں۔ مگر ان کی حدیثیں نصف سے زیادہ ایسے ہی بزرگوں سے ہیں۔ جو ۱۰۰ھ سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ اس لئے یقینًا ایسی حدیثوں میں سے فی ہزار نو سو ننانوے حدیثیں یقینًا مرسل ہیں، یعنے ان حدیثوں کو زہری نے کسی واسطے سے سنا۔ اور وہ واسطہ حذف کر کے ان حدیثوں کو ان بزرگوں کی طرف حدثنا فلاں کہہ کر منسوب کر دیا۔ کیونکہ ۱۰۰ھ سے پہلے تحصیل احادیث کے لئے تگ و دو شہر شہر اور قریہ قریہ کی دوڑ کا دستور نہ تھا۔ نہ کسی کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ منافقین عجم کے قال رسول اللہ، قال رسول اللہ کے مفسدانہ شور سے اہل حق کے کان بھر گئے تھے۔ اور کتنوں نے برسبیل تذکرہ بھی روایتِ حدیث ترک کر دی تھی۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا واقعہ مذکور ہوا۔ غرض جب ۱۰۰ھ سے پہلے نہ تحصیل احادیث کا دستور تھا نہ منافقین عجم کے سوا عام طور سے روایتِ احادیث

کسی کا مشغلہ تھا تو اگر ابن شہاب نے ۱۰۱ھ سے پہلے حدیثیں لوگوں سے سنیں تو ان میں زیادہ تر وہی حدیثیں ہوں گی جن کو انہوں نے منافقین عجم ہی سے سنا ہوگا. چاہے وہ ان کا نام لیں یا نہ لیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب سنی شیعہ (دونوں) جماعتوں میں مذہبی بٹوارہ نہیں ہوا تھا اور دونوں جماعتوں کے افراد باہم ملے جلے تھے۔ شیعوں کے پاس کوئی سیاسی طاقت نہ تھی اس لئے وہ اپنے ائمہ کی ہدایت کے مطابق اپنے مخصوص عقائد کو نہایت سختی کے ساتھ دوسروں ہی سے نہیں بلکہ اپنے غیر معتمد علیہ افراد[1] سے بھی چھپاتے تھے۔ منافقین عجم میں اکثریت شیعوں ہی کی تھی۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے محبت خاندانِ رسول اور ان کی ظاہری حمایت ہی کو اپنا حیلہ بنایا تھا اور چونکہ کثرت روایت حدیث اسی جماعت کے افراد اس وقت تابعی کا خرقہ پہن کر ہر جگہ روایت احادیث کرتے پھرتے تھے۔ اور ہر دس سچی بات میں دو چار جھوٹی حدیثیں بھی ضرور رکھ دیتے تھے۔ سچی حدیثوں کو بھی ایسے عنوان سے بیان کرتے تھے کہ ان سے کوئی لایعنی پہلو یا بعض مفہوم باطل بھی نکل سکے۔ یا ایسی باتیں بیان کرتے تھے کہ جو کلمۃ[2] حق اُرِیدَ بِہِ الباطل کی مصداق ہوں۔ غرض اس وجہ سے زہری کو ہر طرح کے راوی کی حدیثیں ملتی رہیں۔ اور ہر فرقے میں ان کا رسوخ رہا۔ روایتیں ان کو زیادہ تر انہیں سے ملتی تھیں جو محبت خاندانِ نبوی کے مدعی تھے۔ اور غالباً ارسال کا ڈھنگ بھی ان کو انہیں لوگوں نے بتایا کہ روایت میں ہمیں لوگوں کا نام کیوں رہے۔ جن لوگوں سے خود تمہاری ملاقات رہی ہے ان کی روایتیں انہیں کے نام سے لکھو۔ تمہارے اور ان کے درمیان تو ہمیں ہیں تمہاری ملاقات ہم سے بھی ہے اور ان سے بھی تھی۔ اگر ہمارا نام بیچ میں نہ رہا تو کیا مضائقہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے ان لوگوں کے نام حذف کر کے ان لوگوں کی طرف اپنی سماعت منسوب

(ان کی جماعت میں بھی اسی لئے)

---

[1] قال ابوعبد اللہ علیہ السلام نحن علیٰ دین من کتمہ اعزہُ اللہ ومن اذاعہٗ اذلّہُ اللہ امام ابوعبداللہ (جعفر) کا قول ہے کہ ہم لوگ ایک ایسے دین پر ہیں کہ جس نے اس کو چھپایا اللہ اس کو عزت دیگا اور جو اس کو شائع کریگا اللہ اس کو ذلیل کریگا۔ (اصول کافی ص۴۸۵ نولکشور) [2] یعنی الفاظ تو سچے ہیں۔ بات بظاہر سچی ہے مگر مراد باطل ہے۔

کر دی۔ جن سے ان لوگوں نے اپنی سماعت بیان کی تھی۔ اور اس طرح یہ ارسال کے خوگر ہو گئے اور ایسا خوگر ہوئے کہ پھر جن لوگوں سے ان کی ملاقات تک نہ تھی۔ بلکہ وہ لوگ جو ان کے بچپن ہی میں مر چکے تھے یا ان کی ولادت سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے ان سے بھی حدثنا فلاں کہہ کر روایت کرنے لگے۔ ان حالات میں ان کے ان شیوخ کا پتہ لگانا جن سے واقعی خود انہوں نے سنا ہو، کس قدر مشکل ہے۔

مُرسل متّصل نما

بعض حدیثیں ایسی بھی ہو سکتی ہیں جو ایسے شیوخ کیطرف منسوب ہوں جن سے اُن کی لقاء اور ان حدیثوں کے سوا دوسری حدیثوں کا سماع بھی ثابت اور صحیح ہو مگر یہ حدیثیں ان سے بلا واسطہ نہ سنی ہوں اور یہ درمیانی واسطے کو حذف کر کے ان سے ان حدیثوں کو بھی بلا واسطہ روایت کر رہے ہوں تو ایسی متصل نما مرسل روایتوں کا پتہ کس طرح لگایا جا سکتا ہے۔

بعض شیوخِ زُہری

حافظ ابن حجر رحہ نے تہذیب التہذیب جلد ۹ صـ ۴۴۵ میں بضمن ترجمۂ زہری ان کے ستّر شیوخ کے نام نقل کئے ہیں۔ یہ ان کے منتخب شیوخ ہیں۔ مگر ان میں بھی کتنے ایسے ہیں جو سنہ ۱۰۱ھ سے پہلے ہی راہیٔ جنت ہو چکے تھے۔ اس لئے ان سے زہری کی روایتیں زیادہ تر مرسل ہی ہوں گی۔ اور بعض ان میں کے کسی قدر مجروح بھی ہیں۔ ہم ان میں سے چند کا ذکر یہاں کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں۔ جن کا نام ان ستّر میں تو نہیں ہے مگر دوسری جگہ یا خود ان کے ترجموں میں یہ مذکور رہے کہ ان سے زہری روایت کرتے ہیں۔

عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود

یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھتیجے کے بیٹے ہیں اور ان سے روایت بھی کرتے ہیں مگر مرسل کیونکہ ان کا وقت نہیں پایا۔ اسی طرح زید بن ثابت سے بھی انہوں نے کچھ نہیں سُنا۔ بلکہ ان کو دیکھا تک نہیں اس لئے ان سے بھی ان کی روایت مرسل ہی ہے ؎۱ بہت بڑے فقیہ بھی تھے اور شاعر بھی۔ علی بن المدینی

؎۱ زیادہ قرینہ یہی ہے کہ یہ ارسال خود انہوں نے نہیں کیا بلکہ یہ فعل ان سے روایت کرنیوالوں کا ہے۔ واللہ اعلم اور [illegible]

نے ان کا سال وفات ۹۹ھ بتایا ہے۔ مگر اکثر محدثین کے نزدیک ان کی وفات حضرت علی بن الحسین بن علیؓ بن ابی طالب سے پہلے ہوئی ہے۔ اور حضرت علی بن الحسین رضؓ کی وفات امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ صغیر میں ۹۲ھ لکھی ہے اور ان کے پوتے علی بن جعفر بن علی بن الحسینؓ کی روایت ہے کہ ۹۴ھ میں علی بن الحسین رضؓ کی وفات ہوئی ہے اور عبید اللہ بن عبد اللہ کے متعلق ابن حجر رحؒ امام بخاری رحمہ اللہ کا قول لکھتے ہیں کہ حضرت علی بن الحسین رضؓ سے پہلے ۹۴ھ یا ۹۵ھ میں وفات پائی۔ بخاری کے قول میں یہ تخالف کیوں ہوا خدا کو معلوم۔ غالب قرینہ یہ ہے کہ ۹۴ھ میں دونوں کی وفات کچھ مہینے آگے پیچھے ہوئی۔ بغرض زہری کی جمع و تدوین حدیث سے بہر حال دونوں پہلے ہی رہ گرائے فردوس ہو چکے تھے۔ اس لئے ان دونوں سے جو سُنی سنائی حدیثیں یاد ہوں۔ ان کے سوا زیادہ حدیثیں زہری کی مرسل ہی ہوں گی۔

خارجہ بن زید بن ثابت

یہ اپنے والد زید بن ثابت اور چچا یزید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں۔ مگر اس پر تو سارے محدثین متفق ہیں کہ یزید بن ثابت کا انہوں نے وقت نہیں پایا اس لئے ان سے ان کی روایت مُرسل ہے مگر یہ جو اپنے والد زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں۔ اس کو محدثین متصل کہتے ہیں۔ چونکہ بخاری وغیرہ میں جمع قرآن کی روایت اُن سے ہے اور بلا واسطہ ہے۔ زید بن ثابت کی وفات کے متعلق مختلف اقوال ہیں ۵۵ھ اور ۵۱ھ والی روایت کو خود ابن حجر رحؒ نے ضعیف[1] ٹھہرایا ہے اور ۴۵ھ کی روایت صحیح قرار دی ہے۔ حافظ ذہبی رحؒ بھی تذکرۃ الحفاظ جلد اول صہ ۲۹ میں ۴۵ھ ہی کی روایت کو صحیح ٹھہراتے ہیں۔ خارجہ بن زید کے سال ولادت کو کوئی نہیں لکھتا۔ ذہبی رحؒ نے تو ان کو حفاظ حدیث میں شمار ہی نہیں کیا۔ اس لئے نام لکھ کر چھوڑ دیا کہ چونکہ یہ قلیل الروایت ہیں۔ اس لئے حفاظ میں ہم ان کا ذکر نہیں کرتے۔ البتہ ابن حجر رحؒ نے مختصراً ذکر کیا ہے اور ان کا سال وفات ۹۹ھ یا ۱۰۰ھ اختلاف کے ساتھ تہذیب التہذیب[2] میں نقل کیا

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۳ صہ ۳۹۹ ان دونوں قولوں کو قیل لکھا ہے جو ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ [2] تہذیب التہذیب جلد ۳ صہ ۷۵

ہے۔ تاریخ اوسط میں امام بخاری رہ ان کی عمر باسٹھ برس لکھتے ہیں [1] تو اپنے والد کی وفات کے وقت صرف سات برس ہی کے تھے۔ اس لئے اپنے چچا کی طرح یہ اپنے والد سے بھی یقیناً مرسل ہی روایت کرتے ہیں یعنے درمیان کے ایک راوی کا نام چھوڑ کر۔

عبداللہ بن محمد بن حنفیہ رح

یہ حضرت علی رض کے پوتے ہیں۔ کٹر قسم کے شیعہ تھے۔ ابن سبا کی جماعت کے آلۂ کار تھے۔ سبائیوں کی بنائی ہوئی حدیثوں کا اتباع کرتے تھے۔ اور چپکے چپکے جمع کرتے تھے ۹۸ھ یا ۹۹ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ حافظ ابن حجر رح لکھتے ہیں کہ محمد بن حنفیہ کے دو بیٹے تھے۔ عبداللہ اور حسن۔ عبداللہ شیعہ ہو گئے اور حسن مَرجیہ (تہذیب التہذیب جلد ۶ صـ ۱۶) بہرحال ان دونوں سے بھی زہری کی روایت زیادہ تر مرسل ہی ہو گی۔ کیونکہ زمانۂ آغاز تدوینِ احادیث سے پہلے ان کی وفات ہو چکی ہے۔ چونکہ ابن شہاب زہری شیعوں میں شیعہ تھے۔ اس وجہ سے ان سے بھی حدیثیں روایت کرتے رہے

بطور نمونہ ان تین اشخاص کے ایسے نام میں نے پیش کئے ہیں۔ جو آغاز جمع احادیث سے بالاتفاق یا بقول صحیح پہلے گذر چکے ہیں۔ اور ایسے بھتیرے ہیں۔ اب چند مثالیں ایسوں کی پیش کرتا ہوں۔ جن کی تاریخ وفات میں اختلاف پیدا کر کے کوشش کی گئی ہے کہ کسی طرح زمانۂ آغاز جمع احادیث تک ان کو زندہ ثابت کیا جائے۔ تاکہ کم سے کم ان کی روایتیں تو متصل سمجھی جا سکیں۔ اسی لئے دو ایک سال نہیں۔ بلکہ دس دس سال کا اختلاف پیدا کر دیا گیا۔

ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف

یہ عشرہ مبشرہ میں کے ایک مشہور جلیل القدر صحابی کے صاحبزادے ہیں اسلئے بڑے بلوثوق تابعی ہیں۔ مگر ان کو عبداللہ بن عباس رض سے فی الجملہ چشمک تھی۔ اس لئے ان کی حدیثوں کی مخالفت اکثر کیا کرتے تھے۔ اور اس وجہ سے بقول ابن حجر رح ان کے علم سے محروم رہے۔ پھر ارسال بھی بہت کیا کرتے تھے۔ اپنے والد ماجد کا وقت نہیں پایا۔ مگر ان سے روایت کرتے تھے۔ نضر[2] بن شیبان نے جو ان کے والد سے سننے کی روایت

[1] مولانا شمس الحق محدث درشرح سنن ابی داؤد [2] نضر بن شیبان کو خود ابن حجر تہذیب التہذیب میں ضعیف اور [illegible]

کی ہے۔ اس کو یعقوب ابن شیبہ، ابن معین، علی بن المدینی، ابو داؤد اور امام احمد بن حنبل رح صحیح قرار نہیں دیتے ہیں۔ حضرت طلحہ رض اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما سے بھی ان کی روایت مرسل ہی کہی جاتی ہے۔ امُّ المؤمنین حضرت ام حبیبہ رض، ابو موسیٰ اشعری سلمہ بن الصخر البیاضی رض، عمرو بن امیہ، ابو الدرداء رض، حضرت ذوالنورین رض، حضرت فاروق اعظم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہم اجمعین سب سے یہ مُرسل روایت کرتے ہیں۔ درمیانی راوی کا نام حذف کر کے ۹۴ھ میں اور بروایتے ۱۰۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ بخوبی ممکن ہے کہ ان ارسالوں کا الزام ان پر صحیح نہ ہو بلکہ ان سے روایت کرنے والوں پر ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

عمرہ بنت عبدالرحمٰن الانصاریہ رض جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں پلیں ۹۸ھ میں ستتر (۷۷) سال کی عمر پا کر وفات پائی۔ مگر ان کا سال وفات ۱۰۶ھ بھی بتایا گیا تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص ۴۳۸ میں ان کو ابوبکر بن حزم قاضیٔ مدینہ کی پھوپھی لکھا ہے۔

حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف رض ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سابق الذکر کے بھائی ہیں۔ ان کی روایت بھی حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم، حضرت ذوالنورین اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین اور خود اپنے والد ماجد رض سے مُرسل ہی ہے۔ ۷۳ سال کی عمر میں ۹۵ھ یا ۱۰۵ھ میں راہیٔ جنت ہوئے۔

سلیمان بن یسار الہلالی رح اکابر تابعین میں ہیں۔ بعض لوگوں سے ان کی روایتیں بھی مرسل ہیں۔ مثلاً سلمہ بن صخر و ابو رافع وغیرہما سے ان کی وفات بروایتے ۹۴ھ یا ۱۰۰ھ کی ہے اور پھر ۱۰۳ھ و ۱۰۷ھ و ۱۰۹ھ کی روایتیں بھی ہیں۔

الانتباہ یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ منافقین عجم یا جو موالی قسم کے سبایا (جنگ کے قیدی) یا اولادُ السّبایا (ان جنگی قیدیوں کی اولاد) یا بعض

نوجوانان بنی ہاشم مثلاً عبداللہ بن محمد بن حنفیہ یا کچھ اور سیدھے سادھے لوگ جو منافقین عجم کے دام فریب میں آگئے تھے۔ ان کے سوا اکابر تابعین جن کی تعداد تو درحقیقت بہت زیادہ تھی مگر چونکہ وہ فتنۂ روایات سے بہت ڈرتے تھے۔ اس لئے اپنی خاموشی کیوجہ سے طبقۂ محدثین میں ان کے کثیر افراد گمنام رہے اور کتنوں کے نام تو آتے ہیں مگر درحقیقت وہ خود نہیں ہیں بلکہ صرف ان کے اسماء گرامی استعمال کرکے ان کو خواہ مخواہ کھینچ لایا گیا ہے تو جو الزام ارسال و تدلیس وغیرہ کا از روئے روایت اُن پر آتا ہے۔ وہ درحقیقت اُن پر نہیں ہے بلکہ ان کے نام استعمال کرنے والوں پر ہے۔ نہ ان غریبوں نے روایت کی نہ ارسال کیا۔ مگر مرسل روایتیں بنا بنا کر ان بے گناہوں کے سر منڈھی گئیں۔ اور ان کا نام استعمال کیا گیا۔

اصل یہ ہے کہ آغاز جمع روایت میں جامعین کو کیا خبر تھی کہ یہ فنِ حدیث اس حد تک ایک صدی کے بعد ترقی کر جائے گا۔ کہ ایک ایک راوی کا حتی الوسع سالِ ولادت اور سالِ وفات اور امکانِ ملاقات درمیان راوی و مروی عنہ ان سب کی چھان بین کرکے لوگ قلمبند کرلیں گے؟ وہ تو سمجھتے تھے کہ جو ہم نے لکھ دیا ہے وہی بعد والوں کے لئے سند و حجت ہو جائے گا۔ بعد والوں میں سے کس کو معلوم ہوگا کہ سو برس پہلے کون پیدا ہوا تھا۔ اور کب مرا۔ فلاں سے فلاں کی ملاقات ہوئی تھی یا نہیں، فلاں نے فلاں سے کچھ سنا تھا یا نہیں۔ اس کا پتہ سو ڈیڑھ سو برس بعد کے لوگ کس طرح لگالیں گے۔ میری روایتیں ہی اس کی دلیل ہو جائیں گی کہ جب فلاں شخص فلاں سے روایت کر رہا ہے تو یقیناً ایک نے دوسرے کا وقت پایا اور یقیناً دونوں میں ملاقات بھی ہوئی اور راوی نے مروی عنہ سے یہ حدیث بھی سُنی۔ اس لئے بلا تامل ایسے لوگوں سے بھی روایت حدّثنا کہہ کر کیا کرتے تھے۔ جن کی وفات کے وقت یہ بہت ہی کمسن تھے۔ بلکہ بعض ایسوں سے بھی جن کی وفات کے بعد یہ پیدا ہوئے۔

مسوّر بن مخرمہ ابو عبدالرحمٰن الزہری

یہ مشہور محدث ہیں اور محدثین کے کہنے کے مطابق ابن شہاب زہری

کے ہم جد ہیں ۔ متقدمین تابعین میں ان کا شمار ہے ۔ ان کی وفات سنہ ۶۴ھ میں بالاتفاق ہے ۔ ابن شہاب کی پیدائش سنہ ۵۱ھ کی ہے ۔ اس لئے یہ تیرہ برس کے ان کی وفات کے وقت تھے ۔ وہ زمانہ عام طور سے درسِ احادیث کا تو تھا نہیں کہ جس طرح سنہ ۱۰۱ھ کے بعد اپنے اکابر کو جمع و تدوین یا روایتِ احادیث میں مصروف دیکھ کر بچوں کو بھی حدیثوں کے سننے کا شوق پیدا ہوا اور لگے سُن سُن کر یاد کرنے ۔ جب سنہ ۹۰ھ اور سنہ ۹۵ھ بلکہ سنہ ۹۹ھ میں وفات پانے والوں سے اس کی توقع نہیں (اگر وہ منافقینِ عجم یا اُن کے فریب خوردوں میں نہ تھے) کہ حدیثیں روایت کرتے پھرتے ہوں تو سنہ ۶۴ھ میں وفات پانے والوں سے کیا امید کی جا سکتی ہے کہ وہ ایک بارہ تیرہ برس کے بچے سے حدیثیں روایت کرنے بیٹھے ہوں اور سنیئے ۔

عبادہ بن صامت رضؓ

یہ مشہور صحابی ہیں سنہ ۳۴ھ میں ان کی وفات ہے یعنے ابن شہاب زہری کی ولادت سے سترہ سال پہلے ۔ مگر بغیر کسی درمیانی راوی کا نام لئے بلاواسطہ ابن شہاب ان سے بھی روایت کرتے ہیں ۔

اسی طرح بعض غیر معروف بالکل مجہول لوگوں سے روایت لینے میں یہ کوئی باک نہیں محسوس کرتے تھے ۔ کیونکہ ان کو آغاز کار کے زمانے میں کیا خبر تھی کہ پچاس ساٹھ ہی برس کے بعد اسماءِ رجال کی تدوین کی ضرورت بھی لوگوں کو محسوس ہو گی ۔ اور ایک ایک راوی کے حالات لوگ قلمبند کر لیں گے ۔ وہ تو یہ سمجھتے تھے کہ ہم تو گھوم گھوم کر شہر شہر اور قریہ قریہ یہاں تک کہ راہ کے راہبوں سے بھی حدیثیں پوچھ پوچھ کر لکھ رہے ہیں ۔ ان راویوں کے نام جو ہم لکھ دیں گے وہی بعد والوں کے لئے سند ہو گا ۔ اس نام کا کوئی شخص تھا بھی یا نہیں؟ دس برس بعد والوں کو اس کا پتہ لگنا مشکل ہے ۔ زیادہ مدت کے بعد اس کو کوئی کیا سمجھ سکتا ہے اور یہاں تو احادیث و روایت کا ایک طوفان اُمڈا ہوا ہے ۔ ابن شہاب کو دیکھ کر ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان جو آلِ عثمان کے غلام آزاد کردہ ابولؤلؤ فیروز قاتل حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خاص بھتیجے تھے ۔ ان کے ساتھ

لگ گئے تھے اور خود بھی حدیثیں جمع کرتے چلتے تھے۔ پھر مکحول وغیرہ متعدد لوگوں کو شوق پیدا ہو گیا تھا اور ہر شخص کو یہی فکر تھی کہ ہم زیادہ سے زیادہ حدیثیں جمع کریں۔ جرح و تعدیلِ رُواۃ کا تو اس وقت نام بھی نہ تھا۔ اور نہ اس کا موقع کا تھا کیونکہ یہ لوگ خود تابعی تھے اور سنہ ھ میں یا اس کے بعد تو آغاز جمع احادیث کا کام شروع ہی ہوا تھا۔ اس لئے صرف تابعین ہی سے تو روایتیں لے رہے تھے۔ البتہ خود اِن جامعین کو کسی صحابی کی سُنی سنائی کوئی حدیث اگر واقعی یاد تھی تو البتہ بلا واسطہ وہ اس کو کسی صحابی سے روایت کرتے تھے۔ مگر صحابیوں کیطرف منسوب کردینے کا امکان تو ان تابعین کے لئے ہر وقت تھا۔ چاہے درمیانی راوی کو حذف کر کے، چاہے کوئی حدیث اپنی طرف سے بنا کر۔ یہ خود تابعی تھے ہی اس لئے اب پوچھنے والا کون ہے کہ تم نے کب سنا اور کس سے سُنا؟ اور ابھی تو یہ جامعین خود پوچھ پوچھ کر جمع ہی کر رہے ہیں۔ اس وقت تو کسی سے خود روایت کرتے نہیں کہ کوئی ان سے ان کے شیخ کا حال پوچھے جب ان کی روایت کا وقت آئے گا تو اگر کوئی روایت کسی اسم مسمّٰی سے یا کسی مجہولُ الحال شخص سے کی ہے تو اس کی کچھ تعریف و توثیق کر کے بنا دیں گے کہ تم نہیں جانتے ہو۔ یہ شخص نہایت معتبر تھا فلاں جگہ کا رہنے والا تھا اور ایسا تھا ویسا تھا مثلاً:-

ابُوالاحوص

ان کا نام کسی کو معلوم نہیں، نہ ابن شہاب نے بتایا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ قبیلۂ بنی اللیث یا بنی غفار کے موالی میں سے تھے۔ ابو داؤد الاعمیٰ نقیع[1] کے خاص شاگرد رشید تھے۔ صرف ابن شہاب ہی ان سے روایت کرتے ہیں اور کوئی نہیں۔ سعد ابن ابراہیم جو زہری کے شیوخ ہیں اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کے پوتے تھے۔ زہری سے ابُوالاحوص کا نام سن کر بہت بگڑے کہ تم یہ کس سے روایت کر رہے ہو۔ زہری نے ابوالاحوص کو پہچنوانا چاہا اور بہت صفائی پیش کی مگر سعد بن ابراہیم کی مطلق تشفّی نہ ہوئی۔

---

[1] یہ ایک مشہور و معروف رافضی و کذاب تھا جھوٹی حدیثیں بنانے میں بڑا ماہر۔ اس کا ترجمہ تہذیب التہذیب وغیرہ میں ہے۔ نقیع نام ابو داؤد کنیت ابن الحارث ولدیت کے ساتھ دیکھ لیجئے ذہبی نے میزان میں بھی اس کا ترجمہ لکھا ہے۔ تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صہ ۴۷۰

(تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص۵)

عثمان بن اسحاق حافظ ذہبی میزان الاعتدال جلد ۲ ص۱۷۸ میں ان کو غیر معروف لکھتے ہیں۔ مگر ابن حجر رح نے تہذیب التہذیب جلد ۷ ص۱۰۶ میں ان کا نسب نامہ جوڑ کر بتلا دیا ہے کہ یہ مجہول شخص نہیں ہیں۔ لیکن اس کا اعتراف دونوں کو ہے کہ یہ صرف قبیصہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابنِ شہاب زہری

محمد بن عبداللہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبد المطلب

ان سے بھی صرف زہری ہی روایت کرتے ہیں اور لوگ ان کو صرف زہری کی روایتوں کی وجہ سے جانتے ہیں ۔(تہذیبُ التہذیب جلد ۹ ص۲۵۱)

عبیداللہ بن عبدُاللہ بن ثعلبہ ان کا ذکر نہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے نہ ابن ابی حاتم نے بلکہ صرف زہری تنہا ان سے روایت کرتے ہیں۔ ائمۂ رجال ان کے متعلق سخت اُدھیڑبن میں ہیں۔ (میزان جلد ۳ ص۲۱)

سنین ابو جمیلۃ السلمی ان کو کوئی ضمری کہتا ہے کوسلیطی بتاتا ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ بنی سلیم کے ایک فرد ہیں ان کے والد کا نام کوئی فرقد لکھتا ہے کوئی واقد۔ بغوی نے آسانی سے محدثانہ[1] فیصلہ کر لیا کہ دونوں

---

[1] محدثین کا یہ دستور ہے کہ متضاد حدیثیں یا روایتیں جب مل گئیں اور کسی طرح دونوں کو ایک موقع پر صحیح طور سے منطبق نہیں کر سکتے تو فوراً اس کو دو واقعے یا کئی واقعے قرار دے دیا اگر شخص کا اختلاف ہے تو دو نوں شخص یا کئی اشخاص کہہ کر ان تمام متضاد روایتوں کو اپنی اپنی جگہ پر صحیح ثابت کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم نے دین کی بہت بڑی خدمت انجام دیدی کہ احادیث نبوی میں جو مضمون کا تضاد تھا اس کو رفع کر کے معترض کا منہ بند کر دیا۔ یہ نہیں سمجھتے کہ اگر وہ روایتیں جھوٹی ہیں اور دروغ گو را حافظہ نباشد کی بنا پر بیانات میں تضاد پیدا ہو رہا ہے اور ہم نے اس دروغ کو اپنی اس تاویل سے جو فروغ دیدیا تو سطرح

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

دو شخص تھے۔ سنین بن واقد الظفری ایک شخص ہی الگ مستقل طور سے ہے۔ واللہ اعلم کہا جاتا ہے کہ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فتح مکہ میں شریک تھے مگر افسوس کہ ان کا یہ دعویٰ کوئی بھی تسلیم نہیں کرتا۔ لیکن ان کو کوئی بھی جھوٹا نہیں کہتا۔ اس لئے کہ تابعی تھے اور زہری کے شیخ تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ نے بواسطہ اپنے شیخ کے زہری ہی سے ان کی حدیث لی ہے مگر یہ کسی کو نہیں معلوم کہ یہ کب پیدا ہوئے تھے اور کب دنیا سے سدھارے۔ بخاری میں ان کی روایت چونکہ زہری ہی سے ہے۔ اس لئے بخاری و زہری کا احترام کرتے ہوئے ائمۂ رجال ان کو تابعی ثقہ لکھ دیتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد۴ ص ۲۴۵ میں ان کا ذکر ہے۔)

سلیمان الاغر ابو عبداللہ المدنی

اصفہانی الاصل ہیں۔ قبیلہ جُہینہ کے موالی میں سے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی لقاء ثابت ہے۔ اس نام کے تین آدمی بتائے جاتے ہیں جو نام لقب اور کنیت سب میں متحد ہیں اور تینوں موالی ہی میں سے تھے۔ ایک زہری کے شیخ جو قبیلہ جہینہ کے موالی میں سے تھے۔ دوسرے شعبیؒ کے شیخ جو حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما کے مشترک موالی میں سے تھے۔ تیسرے اہل کوفہ کے شیخ جن کے متعلق کچھ نہیں معلوم کہ کس کے موالی میں سے تھے۔ ائمۂ رجال کا ان کے متعلق سخت اختلاف ہے، اس لئے کہ زہری ہوں یا شعبی۔ دو میں کسی کے شیخ سے محدثین مستغنی نہیں ہو سکتے کہ مجہول کہہ کر چھوڑ دیں۔ وہ بذات خود ہزار مجہول ہوں مگر ان کا فرض ہے کہ اس مجہول کو معروف بنا کر رہیں۔ چنانچہ زہری اور شعبیؒ کے شیخ کو تو ثقہ لکھا مگر کوفیوں کے شیخ کو ان دونوں سے پست قرار دیا۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کذب اور کذب علی الرسول کی زبردست خطائے مرتکب ہو گئے۔ حج بدل وغیرہ کی روایتیں جو زیادہ تر بلکہ تقریباً سب کی سب حجۃ الوداع ہی کے موقع سے متعلق ہیں۔ ان سب میں جتنے اختلافات و اضطرابات ہیں۔ وہ ان روایتوں کے کذب اور مسئلہ حج بدل کے غلط ہونے پر شاہد ہیں مگر محدثین نے سب کو متعدد واقعے اور متعدد اشخاص سے متعلق قرار دے کر اس بدعت کو سنت قرار دے ہی دیا۔

حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ ان لوگوں میں تھے جو ایران سے شروع شروع میں آ کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں منافقانہ مشرّف باسلام ہوئے تھے اور حضرت ابُو ہُریرہ رضا حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما کے زیر تعلیم رہے اسی لئے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہما کے مشترک موالی میں شمار کئے گئے۔ باہر کے کفار کسی مسلمان کے ہاتھ پر اگر مشرّف باسلام ہوتے تھے۔ تو وہ اس مسلمان کے موالی میں شمار کئے جاتے تھے۔ ممکن ہے کہ رہنا سہنا ان کا قبیلہ جہینیہ میں ہو۔ اس لئے بعضوں نے ان کو قبیلہ جہینیہ کے موالی میں شمار کر لیا۔ چونکہ یہ لوگ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ان کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کے لئے مدینے سے باہر بھی دوڑا کرتے تھے۔ اور کوفہ کو اپنے پروپیگنڈے کا مرکز بنا لیا تھا۔ اس لئے یہ کوفہ والوں سے بھی اپنی من گھڑت حدیثیں روایت کرتے ہوں گے تو درحقیقت یہ تین شخص ایک نام ایک کنیت اور ایک لقب کے نہیں ہیں۔ بلکہ ایک ہی شخص ہے جو زہری کے بھی شیخ ہیں اور شعبی رحؒ کے بھی اور اہل کوفہ کے تو تھے ہی۔

عامرؒ بن شراحیل الشعبی کی ولادت خود ان کے اپنے بیان کے مطابق ۱۹ھ میں ہوئی اور وفات کے متعلق کافی اختلاف ہے ۱۰۳ھ، ۱۰۴ھ، ۱۰۵ھ، ۱۰۶ھ، ۱۰۷ھ، ۱۱۰ھ لوگوں نے لکھے ہیں۔ بیچ میں آٹھ، نو کو خدا جانے کیوں چھوڑ دیا۔ بہر حال یہ ابن شہاب سے بہت بڑے تھے۔ یعنے بتیس ۳۲ سال بڑے تھے۔ اور ابن شہاب سے چودہ پندرہ برس پہلے وفات پائی۔ ان سے تو ابن شہاب کو حدیثیں روایت کرنا تھا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں کچھ معاصرانہ چشمک تھی۔ کہ ایک دوسرے سے بچتے رہے جتی کہ حتی الوسع ایک شخص سے دونوں روایت بھی

لہ یہ اگرچہ ابن شہاب سے بڑے تھے مگر جمع احادیث و روایات کے کام میں ابن شہاب کے دیکھا دیکھی لگے تھے۔ اس لئے جامعین حدیث میں ان کا نام ابن شہاب کے بعد آتا ہے۔ یہ ہی ایک وجہ باہمی چشمک کی ہوسکتی ہے کہ ابن شہاب محدثانہ فضل تقدم کے مدعی ہوں اور یہ عمر میں بڑے ہونے کی وجہ سے مدعی فضیلت ہوں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

نہیں کرتے ۔ اِلاّ ماشاءَ اللہ ۔ اس سلیمانُ الاغر ہیں جو دونوں ملے تھے تو لوگوں نے دونوں کے اس ایک شخص کو بھی دو شخص بنا کر دونوں کے اس اتحاد ناگہانی کو بھی باقی نہیں رہنے دیا ۔

سلیمان بن ارقم ابوسوار البصری

یہ بالاتفاق متروک الحدیث ہیں ایک شخص نے بھی ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی ہے ۔ چونکہ یہ زہری کے صرف شیخ ہی نہیں ہیں بلکہ ان کے شاگرد بھی ہیں اور زہری نے ان سے کم روایت کی ہے ۔ زیادہ تر یہی زہری سے روایت کرتے ہیں ۔ اس لئے ان کے ساتھ وہ رعایت جو زہری کے عام شیوخ کے ساتھ ملحوظ تھی نہیں ملحوظ رکھی گئی کہ آخر کہاں تک رعائت کی بھی کوئی حد ضرور ہونی چاہیئے ۔

اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو میں زہری کے بعض اور شیوخ کے حالات بھی پیش کرتا ۔ مگر اس طوالت کلام سے چونکہ اصل مقصود فوت ہوتا نظر آرہا ہے ۔ اس لئے اتنے ہی لوگوں کے تراجم پر اکتفا کرتا ہوں ۔ لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ قابل ذکر بس اتنے ہی اشخاص تھے ۔ میں نے عیینہ بن سعید، عباد بن زیاد اور عبدالرحمٰن بن مالک وغیرہم کا ذکر محض اختصاراً نہیں کیا ہے ۔ ورنہ مضمون کی کمی نہیں ہے ۔

زہری اور شیعے

اہل سُنّت کے یہاں تو ابن شہاب زہریؒ امیرالمؤمنین فی الحدیث کہے ہی جاتے ہیں مگر شیعوں کے نزدیک پہلے بھی غایت درجہ کے معتمد علیہ تھے ۔ اور جب تک شیعوں نے سیاسی طاقت حاصل ہو جانے کے بعد اپنا مذہبی بٹوارہ نہیں کر لیا تھا ۔ اس وقت تک برابر اسی طرح ان کے یہاں بھی یہ معتمد علیہ رہے جس طرح سنّیوں کے یہاں تھے البتہ جب شیعوں نے اپنا مذہبی بٹوارہ کر لیا ۔ اور سنّیوں سے علیحدہ اپنے مذہب کی تدوین و تہذیب کر لی تو انہوں نے اس وقت سے اپنے محدّثین بھی الگ کر لئے ۔ اور راویانِ احادیث بھی ۔ صحابہ کرام رضہ سے تو گنتے چند کے سوا تقریباً سب سے ان کو قلبی عداوت تھی ہی ۔ اس لئے وہ گنتے چند صحابہ کرام رضہ جو ان کے یہاں معتمد علیہ تھے

مثلاً حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت سلمان فارسی وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وہ تو دونوں جماعتوں میں مشترک رہے اور باقی تمام صحابہ کرام رضہ سے انہوں نے مکمل بائیکاٹ کرلیا۔ ان کے بعد تابعین کی جماعت میں سے انہوں نے اپنے لوگوں کو الگ چن لیا اور اس کی بڑی کوشش کی کہ حتی الوسع اشتراک سے بچیں۔ جہاں مجبوراً اشتراک ہو ہی جاتا تھا۔ وہاں نام میں، ولدیت میں، کنیت میں، لقب میں، سکونت میں کسی نہ کسی طرح کی تصحیف وتحریف کرکے اس کی کوشش کی کہ ان کا راوی سنیوں کے راوی سے متغائر کوئی دوسرا شخص سمجھا جائے۔ مثلاً عنزی جو "ن ز" سے ہے۔ اس کو عنری "ن ر" سے بنا دیا۔ حبان جو "ب" سے ہے اس کو "حیان" "ی" سے کر دیا۔ مندل جو "ن" سے ہے اس کو مبدل "ب" سے قرار دیدیا۔

ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری کو ابو جعفر محمد بن جریر بن رستم الطبری بنا کر دو نام قرار دے کر دونوں کو دو شخص مشہور کر دیا۔ یزید بن معاویۃ ابو شیبہ العجلی الکوفی، کو بُرَیر بن معاویۃ بنا دیا۔ وغیر ذالک۔ مگر اہل سنت کے بھی بعض ہمنام وہم ولدیت اپنے یہاں بعض گمناموں کو قرار دینے کی بھی کوشش کی۔ اگرچہ اس طرح کی ان کی یہ کوششیں عموماً ناکام رہی ہیں۔ مثلاً مالک بن انس رضہ جو امام مالک رحہ کا نام ساری دنیا میں مشہور ہے۔ انہیں کا ہمعصر مالک بن انس کوفہ میں بھی ایک شخص ٹھہرا یا گیا مگر امام مالک رحہ کے آفتاب شہرت کے سامنے یہ کوفی شپرۂ ٹھہر نہ سکا۔ اور لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر صرف اسی قدر کر سکا کہ تدلیس وتلبیس کی تاریکیوں میں اُڑ اُڑ امام مالک رحہ کے نام سے بھتیری حدیثیں اِدھر اُدھر پھیلانے میں ایک حد تک کامیاب ہوا جس میں حبیب بن ابی حبیب کاتب مالک جو ایک زبردست منافق وکذاب تھا۔ اس سے اس کو کافی مدد ملی اور اس طرح کی مثالیں متعدد ہیں۔

ابن شہاب زہری سب سے پہلے جامع حدیث تھے۔ شیعے نہ ان سے بالکل مستغنی ہوسکتے تھے۔ اور نہ ان کو حضرت ابن عباس رضہ کی طرح مشترک ہی سہی، مگر اپنا بھی بنا لے سکتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا بنا لینے سے

متعدّد اکابر شیعہ کو پچھتانا پڑا۔ اسلئے کہ ان کی بھتیری روایتیں شیعوں کے خلاف پڑتی ہیں۔ چنانچہ علّامہ کشی نے ان پر متعدد جرحیں کی ہیں اور چڑھ چڑھ کر ان پر حملے کئے ہیں اور ان کی قدح میں جو روایتیں ان کے آئمہ سے منقول ہیں۔ ان کو نقل کیا ہے۔ مگر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا دامن شیعے چھوڑ بھی نہیں سکتے تھے۔ اس لئے علّامہ حلّی کو ان قدحی روایتوں کی تاویلیں کرنا پڑیں اور اپنی کتاب الرجال الکبیر میں علامہ کشی کے اعتراضوں کے جوابات ان کو دینا پڑے چنانچہ خود علامہ حلی اپنی کتاب خلاصۃ الاقوال صہ ۵۱ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں اس کا ذکر یوں کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

قد ذکر الکشی احادیث تتضمن قدحًا فیہ وھو اجلّ من ذٰلك وقد ذکرتھا فی کتاب الکبیر واجبنا عنھا رضی اللہ تعالیٰ عنہ : یعنی کشی نے حدیثیں نقل کی ہیں جو ان کے متعلق قدح کو شامل ہیں۔ حالانکہ ان کی شان اس سے بہت بلند ہے۔ میں نے ان کو کتاب کبیر میں ذکر کیا ہے اور ان کا جواب دیا ہے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہے۔"

سیاسی طاقت پیدا ہونے سے پہلے یعنی پانچویں صدی ہجری تک شیعے اپنے آئمہ کی طرف منسوب حدیثوں کی ہدایت کے مطابق اپنے عقائدِ مخصوصہ اور اپنی مخصوص حدیثوں کو سنیوں ہی سے نہیں بلکہ عوام شیعوں سے بھی پوشیدہ رکھتے تھے اور جن معتمد علیہ لوگوں کو اپنا ہمراز بنانے بھی تھے۔ تو ان سے اخفاء وکتمان کا عہد لے کر۔ چنانچہ ان کی سب سے زیادہ مستند اور سب سے پہلی حدیث کی کتاب اُصول کافی میں ان کے ائمہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ نحنُ علیٰ دینٍ مَن کتمہٗ اعزّہُ اللہُ ومَن اذاعہٗ اذلّہُ اللہُ یعنی ہم لوگ ایسے دین پر ہیں کہ جس نے اس کو پوشیدہ رکھا اللہ اُس کو عزّت دے گا اور جس نے اُس کو شائع کیا اللہ اس کو رسوا کرے گا۔ (صہ ۴۸۵) اور ایسی کئی متعدّد حدیثیں ہیں۔

غرض ان کا مذہب جس طرح ایک عجیب بھول بھلیاں ہے۔ اسی طرح ان کی تفسیریں اور ان کی حدیثیں بھی ہیں اور پھر ان کے رجالِ حدیث بھی۔ ابن شہاب کے متعلق ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ وہ حضرت علی بن الحسین کے خاص لوگوں میں تھے

اس لئے شیعوں کی ان کے ساتھ وابستگی اوران کا ان پر اعتماد لامحالہ ہونا ہی چاہیئے مگر چونکہ اہل سنت نے ان کو اپنا امام الحدیث مان لیا ہے اور شیعے اہل سنت سے حتی الوسع کسی بات میں بھی اشتراک پسند نہیں کرتے۔ اس لئے ابن شہاب سے کترانے لگے اور ان کو پوری طرح اپنا آدمی کہتے نہ بالکل غیر۔

علامہ شیخ حلی شیعوں کے قدیم دستور کے مطابق اپنی کتاب خلاصۃ الاقوال میں لکھتے ہیں۔ محمد بن شہاب الزُّہری من اصحاب علی بن الحُسین علیہما السّلام عَدُوَّہٗ (انتہیٰ بلفظہ) یعنی: محمد بن شہاب الزہری، ان کو لوگوں نے حضرت (زین العابدین) علی بن الحسین کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔ مگر عدوّہ کو اگر عَدُوُّہٗ پڑھئے تو یہ معنے ہوجائیں گے کہ زہری ان کے اصحاب میں تو تھے، لیکن ان کے دشمن تھے۔ اس طرز تحریر کی غرض یہ ہے کہ جب جیسا مناسب سمجھیں گے سنّیوں کے مقابل زہری کو ویسا ہی قرار دے لیں گے۔

مگر شیخ تفریسی منتہی المقال میں اس قسم کی تقیہ بازی تو نہیں دکھلاتے مگر جرح وتعدیل کچھ نہیں کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔ محمد بن شہاب الزّہری ولد ۵۱ھ ومات ۱۲۴ھ ولہٗ اثنان وسبعون سنہ، یعنے محمد بن شہاب الزہری ۵۱ھ میں پیدا ہوئے اور بہتر سال کی عمر پاکر ۱۲۴ھ میں وفات پائی اور بس۔ لیکن اسکے بعد اپنے اساتذہ پیشین میں سے ایک شخص کی عبارت یوں نقل فرماتے ہیں۔ واشرنا ھُنالِكَ الیٰ کَونہٖ مِنَ الشیعۃِ یعنے ہم نے وہاں زہری کے شیعوں میں سے ہونے کی طرف ایک اشارہ کیا ہے۔ اتنا لکھ کر تفریسی گھبرا کر لکھتے ہیں کہ ہم نے وہیں پر اس کا انکار کردیا ہے۔ کہ وہ ہرگز شیعوں میں سے نہ تھے۔ تفریسی اپنے استاذ الاستاذ کی خلاف مصلحت شیعیت راست گوئی سے گھبرا گئے۔ کہ کبھی کسی سنی محدّث کو یہ دیکھ کہ ان کی طرف سے بدگمانی نہ پیدا ہوجائے اور وہ ان کی روایتوں پر نگاہ تنقید نہ ڈالنے لگے۔ اس لئے اس حقیقت پر انکار کا پردہ ڈالنے لگے۔ مگر اب تو یہ راز فاش ہوچکا۔ علامہ تفریسی کے انکار سے کیا ہوتا ہے۔

ائمۂ رجال وحدیث کی بعض کمزوریاں

حافظ ابن حجر رح تہذیب التہذیب شعبۃ بن الحجاج کے ترجمہ جلد ۴ صہ ۳۴۵ میں لکھتے ہیں کہ راویانِ حدیث کی جرح و تعدیل میں جس نے سب سے پہلے زبان کھولی۔ وہ شعبہ بن الحجاج ہیں۔ ان کا اتباع یحییٰ بن سعید القطان نے کیا۔ پھر امام احمد بن حنبل رح کی زبان کھلی۔ اور یحییٰ بن سعید الانصاری بھی بولنے لگے۔ شعبہ کی ولادت سنہ ۸۲ھ میں ہوئی اور وفات سنہ ۱۶۰ھ میں، ستتر سال کی عمر میں بغرض ابن شہاب زہری کی وفات کے بعد راویانِ حدیث کی جرح و تعدیل کا آغاز ہوا اور یہ آغاز بھی محض سرسری تھا۔ اس وقت تک جرح و تعدیل کے قواعد و ضوابط کچھ بھی منضبط نہیں ہوئے تھے اسلئے باوجود اسکے کہ شعبہ کو اوّل من تکلّم فی الرّجال (اسمائے رجال کے متعلق سب سے پہلا بولنے والا) کہتے ہیں، یہ بھی ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ کَانَ شُعبۃُ یخطیُٔ فی اسماءِ الرِّجَال کثیرًا۔ یعنے شعبہ اسماء رجال میں بہت غلطی کیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ جب راویوں کے نام ہی صحیح طور سے یاد نہ ہوں گے۔ یا بیان نہ کئے جائیں گے تو ان کی جرح و تعدیل کیا کی جائے گی۔ شعبہ واسط کے رہنے والے تھے۔ بصرہ میں آبسے تھے اور سفیان ثوری رح خاص کوفہ کے رہنے والے تھے۔ اس لئے اہل کوفہ کے حالات سے سفیان، شعبہ سے ضرور زیادہ واقف تھے۔

پھر تہذیب التہذیب جلد ۲ صہ ۱۵۰ اور جلد ۷ صہ ۴۷ میں ہے کہ سفیان ثوری رح کا مسلک یہ تھا کہ وہ ضعفاء سے بھی روایتِ حدیث کیا کرتے تھے اور کسی سے بھی حدیث لینے میں احتیاط نہیں کرتے تھے۔ باوجود اس کے خاص کوفہ کے تیس ایسے راویوں سے شعبہ روایت کرتے ہیں جن سے سفیان ثوری رح نے بھی روایت نہیں کی اس سے صاف ظاہر ہے کہ شعبہ سے قبل تو کسی راوی کے متعلق کبھی کوئی کچھ بولتا ہی نہ تھا، جس نے جو حدیث روایت کی، فورًا لکھ لی، جیساکہ خود ابن حجر رح نے زہری کے ترجمے میں لکھا ہے۔ ھٰؤلاءِ قومٌ حُفّاظٌ کانُوا اذا سمعُوا الشیءَ علقُوہُ یہ جماعت حافظینِ احادیث کی ہے جب کسی سے کچھ سنا۔ بس اس کو ٹانک لیا۔

(تہذیبُ التہذیب جلد ۹ صد ۴۵۱)

شعبہ نے جو بعض راویوں کے متعلق کچھ کلمات جرح زبان سے نکالے تو وہ محض اتفاقیہ تھے۔ غایت سے غایت اس کو جرح و تعدیل کا آغاز ہی کہا جا سکتا ہے اس لئے شعبہ کے متعلق ابن حجر رح نے جو تہذیب التہذیب جلد ۴ صد ۳۴۵ میں ابو بکر بن منجویہ کا قول نقل کیا ہے کہ وھو اَوّلُ من فتّش بالعراق عن امر المحدِّثین وجانب الضّعفاءِ وَالمتروکین یعنے شعبہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عراق میں محدثین کے حالات کی تفتیش کی۔ اور ضعفاء و متروکین سے احتیاط برتی۔ اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔ مَیں نے اپنے ایک مضمون میں شعبہ کا مفصّل ترجمہ لکھا ہے اور ان کے تقریبًا ڈیڑھ سو شیُوخ ضعفاء و متروکین گن کر دکھا دیئے ہیں جن سے شعبہ روایت کرتے ہیں تو جب "اول المفتشین عن امر المحدِّثین" کا یہ حال تھا تو غریب ابن شہاب زہری کا کیا عالم ہوگا جن کو تفتیش کا خیال بھی کبھی پیدا نہ ہوا۔ اور سعدی رح کے قول پر جن کا عمل تھا کہ ؎

ہر کرا جامہ پارسا بینی	پارسا داں و نیک مرد انگار

تابعین سے چشم پوشی

سب سے بڑی غلطی جو ائمۂ رجال سے ہوئی۔ وہ یہ کہ خیر القرون کی مدت کو ربڑ کی طرح کھینچ کر یہ لوگ زمانۂ تابعین بلکہ اتباع تابعین تک لے آئے اور خصوصیت کے ساتھ اکثر تابعین کے متعلق کسی قسم کی جرح سے غیر ضروری احتیاط برتتے رہے۔ صرف وہیں کسی تابعی پر جرح کرتے، جہاں اسکے حالات سے مجبُور ہو جاتے۔ پھر بھی جہاں اکثریت جرح کرنیوالوں ہی کی ہے۔ وہاں دو ایک اس کو "تابعی ثقہ" کہنے والے بھی ضرور ہوں گے۔ کتنے ایسے تابعی ہیں جن کو پوری طرح یہ ائمۂ رجال جانتے بھی نہیں۔ مگر چونکہ زہری یا شعبی یا شعبہ یا امام مالک رح وغیرہم ان سے روایت کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے متعلق تابعی ثقہ لکھ دینا ان کا فریضہ رہا۔ حالانکہ منافقین عجم میں کا ہر فرد تابعی ہی بنا ہوا تھا اور سارا فساد وضع احادیث و کذب علی الرسول کا انہیں عجمی تابعیوں ہی کا پیدا کردہ ہے جب ہیں ان کے

ذریات نے تبع تابعین بن کران کا ہاتھ بٹایا۔ اسلئے اگرہ اس جماعت کو جرح سے محفوظ رکھا گیا اور ان پر جرح کرنا خلافِ ادب قرار دے دیا گیا۔ تو پھر بعد والے تو انہیں کے دفاتر کی توسیع و اشاعت کرتے رہے۔ ان کے بنائے ہوئے مکذوبات و مفتریات توضیح و مستند ہو کر رہے۔ اسمیں شک نہیں کہ بعد والوں میں بھی وضاعین و کذابین بہت کافی ہوئے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اکابر تابعین جو اولاد صحابہ رض اور دوسرے حجازی تھے ان میں سے ننانوے فیصدی تو روایات سے احتیاط برتتے تھے اور عام طور سے حدیثیں روایت کرنے ہی نہ تھے اور یہی جماعت اہلِ حق کی تھی۔ روایت کرنے والے تابعین میں کے ننانوے فیصدی ایسے تھے جو یا تو خود انہیں منافقین عجم میں کے افراد تھے یا ان کے تیار کردہ ملاحدہ اور زنادقہ کے افراد، یا ان کے فریب خوردہ کچھ سیدھے سادھے مسلمان، اسی طرح اتباع تابعین یا اصاغر تابعین کے تین طبقے تھے۔ محتاط اہل حق کا طبقہ جو روایت سے بچتا ہی رہا۔ دوسرا طبقہ ان اہل حق کا تھا جو اپنی سادگی کی وجہ سے نادانستہ فتنۂ روایات میں شریک ہو گیا تھا۔ تیسرا طبقہ خاص ان منافقین عجم اور ان کے ہم عقیدہ و ہم عمل ملاحدہ کا تھا۔ جن کا مقصد ہی تخریب اسلام و تفریق بین المسلمین تھا۔ لیکن یہ اعتراف کرنا پڑے گا۔ کہ دوسرا اور تیسرا طبقہ دونوں ہی اس ناپاک مقصد میں عملاً یکساں رہا۔ عقیدہ و نیت کا فرق جو کچھ بھی ہو بلکہ دوسرے طبقے سے اس سے زیادہ نقصان پہنچا۔ جتنا کہ تیسرے طبقے سے پہنچا کیونکہ عامۂ مسلمین میں دوسرا طبقہ تیسرے طبقے سے زیادہ معتمد علیہ تھا۔

محدثین کی سب سے بڑی غلطی

محدثین یعنے جامعین احادیث کی سب سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے ضعفا کے بعض افراد کے متعلق یہ اصول اختیار کیا کہ یکتُبُ حدیثہ ولا یحتج بہ یعنے: اس شخص کی حدیثیں لکھ لی جائیں گو ان پر اعتبار نہ کیا جائے (تاکہ بعد میں تنقید و تحقیق کے بعد ان روایات کی اصلیت پر غور کیا جا سکے) جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد والوں نے ان کی تالیفوں میں ان ضعفاء کی حدیثیں دیکھ کر یہ سمجھتے ہوئے کہ فلاں محدث اور فلاں امام کی کتاب میں یہ حدیث

ہے۔ صرف اس مؤلف کی شخصی اہمیت کے زیر اثر ان حدیثوں کو بھی حجّت و سند قرار دے لیا۔ کیونکہ اس حدیث کے بعد تو لا یصح یہ اس کتاب میں لکھا ہوا نہ تھا۔ بلکہ رجال کی کتاب میں اس راوی کے نام کے ساتھ یہ لکھ دیا گیا۔ اور حدیث پڑھنے والے کے سامنے عموماً کتب رجال کبھی نہیں ہوتیں۔ اس طرح اس راوی کی جس کو لوگوں نے کتب حدیثہ ولا یصح یہ لکھا ہے۔ اس کی حدیثیں بھی جو محدثین کی کتابوں میں ہیں حجّت و سند سمجھی جانے لگیں۔

محدثین کی ایک اور سخت غلطی

فضائل اعمال و مناقب صحابہ رضی میں حدیثیں بھی ان کو ملیں۔ چاہے وہ کیسی ہی ہوں بلا تامل ان کو لکھ لیا۔ اور سمجھے کہ ان حدیثوں میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے کسی قسم کا خطرہ ہو۔ حالانکہ ان میں سب سے بڑا خطرہ کذب علی الرسول کا موجود اور نمایاں تھا۔ اور اس کے علاوہ بہتیرے پوشیدہ زہر ان حدیثوں کے شہد میں ملے ہوئے تھے۔ چنانچہ آج تفضیلیوں کا مذہب انہیں موضوعات فضائل و مناقب کی کھوکھلی بنیاد پر قائم ہے۔ مثلاً: النَّظْرُ اِلٰی وَجہِ علی رض عِبَادَۃ (حضرت علی رض کے چہرے کی طرف نظر کرنا عبادت ہے۔) اس کا راوی مشہور منکر الحدیث شیعہ ہارون بن حاتم الکوفی ہے جس نے قراءت کی بھی بہت سی روایتیں بنا بنا کر شائع کیں۔ اسی طرح من کنتُ مولاہُ فعلیٌّ مولاہُ جس کا میں مولا ہوں اس کے علی رض مولا ہیں" کہ اس کو سب سے پہلے حبہ بن جوین بن علی العرنی البجلی الکوفی نے وضع کیا۔ جو تشیّع میں بہت غلو رکھتا تھا۔ اور ابن معین، دوری، جوزجانی، ابن خراش اور نسائی نے اس کو غیر ثقہ اور ضعیف قرار دیا ہے۔ صرف احمد بن عبداللہ العجلی نے تابعی ثقہ فرمایا ہے اور بعض اہل کوفہ نے اس کو صحابی ثابت کرنے کی کوشش ناکام بھی کی ہے مگر چلی نہیں۔ پھر دوسرے کوفیوں اور شیعوں نے اس روایت کو مختلف طریقوں سے بیان کیا اور اس موضوع حدیث کو متواتر ثابت کرنے کی کوشش کی چنانچہ ابن عقدہ مشہور شیعہ محدث نے اس پر ایک مختصر سا رسالہ بھی لکھ ڈالا اور اس کے جملہ طرق

کو یکجا کر دیا جس سے حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ بھی دھوکا کھا گئے۔ اور اس حدیث موضوع کو ازالۃ الخفا میں متواتر کہہ گئے۔ اسی طرح وہ روایت کہ جناب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری وقت میں حکم دیا کہ مسجد نبوی کے سب دروازے بند کر دیئے جائیں بجز باب علیؓ کے۔ کہ یہ روایت خاص کوفے کے ٹکسال میں گھڑی گئی۔ حافظ ابن حجرؒ نے القول المسدد میں مسند احمد کی حمایت کرتے ہوئے اس روایت کی تائید میں ایڑی سے لے کر چوٹی تک کا زور لگایا ہے جس کا جواب میں نے ایک مستقل رسالے میں جو تاریخ مسند احمد کا ضمیمہ ہے۔ ابن حجرؒ ہی کی تصریحات سے دیا ہے۔ پھر آیۃ تطہیر کی شانِ نزول میں روایت کساء اور آیت ولایت کی شان نزول میں بحالت رکوع انگوٹھی خیرات کرنے کی روایت۔ غرض یہ سب روایتیں شیعیان کوفہ و بصرہ نے گھڑیں اور ان کی کافی تشہیر کی۔ ناواقفوں نے اس تشہیر کو شہرت سمجھ کر دھوکہ کھایا اور انھیں جیسی روایاتِ موضوعہ کی بنیاد پر آج کی تفضیلیوں کی ایک جماعت اہلِ سنّت میں موجود ہے۔

زہری کی خوگری ارسال

ابن شہاب زہری ارسال کے بہت خوگر تھے یعنے درمیان سے اپنے اصل شیخ کا نام چھوڑ کر اپنے شیخ کے شیخ سے بلا واسطہ اس طرح روایت کرتے تھے۔ کہ سننے والا یہ سمجھے کہ انہوں نے خود فلاں شخص سے سنا ہے۔ اور اس میں اس قدر مشّاق تھے کہ جس سے ملاقات تک نہیں۔ اس سے بھی اس طرح روایت کرتے تھے کہ معلوم ہو کہ خود اس سے انہوں نے سنا ہے۔ یہاں تک کہ جس کی وفات کے وقت یہ کمسن تھے۔ اس سے بھی اسی طرح روایت کرتے ہیں۔ بلکہ جس کی وفات کے برسوں بعد پیدا ہوئے اس سے بھی حدثنا فلان کہہ کر حدیث بیان کر دیتے ہیں۔

حقیقت میں تو یہ سینکڑوں سے مرسل ہی روایت کرتے ہیں۔ اس لیے کہ میں لکھ چکا ہوں کہ جو لوگ سنہ ۱۰۰ھ سے پہلے یعنی آغاز جمع حدیث کے قبل وفات پا چکے۔ ان سے ان کی سچانوے فیصدی روایتیں مرسل ہی ہیں۔ الّا یہ کہ وہ راوی منافقین عجم میں کا کوئی

فرد ہو یا ان کا اسیر دامِ تزویر ہو، کیونکہ حضرات صحابۂ کرام و اکابر تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین تو اس دورِ فتنہ میں روایتِ احادیث سے سخت احتیاط کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہم نے مقدمہ صحیح مسلم سے نقل کیا ہے جو اوپر گذرا۔ مگر خود حافظ ابن حجر رح نے جو تہذیب التہذیب میں ان کا مختصر سا ترجمہ لکھا ہے۔ اس مختصر ترجمے میں بھی تیرہ بزرگوں کے نام لکھے ہیں۔ جن سے ان کے نزدیک بھی زہری ارسال کرتے ہیں۔ وہ تیرہ حضرات حسب ذیل ہیں۔

(۱) عبد الرحمٰن بن ازہر (۲) عبد الرحمٰن بن کعب بن مالک (۳) آبان بن عثمان رض بن عفان رض (۴) مسعود بن الحکم (۵) حصین بن محمد السالمی رض (۶) عبد اللہ بن عمر بن الخطاب (۷) عبد اللہ بن جعفر الطیار (۸) عبادہ بن صامت رض (۹) رافع بن خدیج رض (۱۰) ام عبد اللہ الدوسیہ (۱۱) ابو ہریرہ رض (۱۲) ابو رہم[1] (۱۴) عروۃ بن الزبیر رض

آخر الذکر یعنے عروۃ بن الزبیر رض سے زہری کی روایتیں بہت ہیں اور تقریباً سب بلا واسطہ اور ان میں کی اکثر حدیثیں صحاح میں ہیں۔ بخاری و مسلم میں سو سے زیادہ ہی ایسی روایتیں ہوں گی۔ اس لئے بخاری و مسلم کے شیدائیوں کو بڑی دشواری پیش آئی۔ کیونکہ امام بخاری رح کی شرائط[2] میں یہ بھی مشہور ہے کہ راوی اور مروی عنہ میں لقا ثابت ہو، امام مسلم رح صرف معاصرت کے ہے اور روایت کر لیتے ہیں۔ تو یہی روایت ثبوت لقاء کے لئے ان کے نزدیک کافی ہے۔ مگر باوجود معاصرت کے ابن حجر رح کو اس کا اعتراف ہے کہ زہری اور عُروہ میں لقاء ثابت نہیں ہے۔ جس کی یہ وجہ ہو سکتی ہے۔ کہ ابن شہاب کا اصل وطن اور ان کا تجارتی کاروبار مقام ایلہ میں تھا اور

---

[1] ابو رہم بضم راء مہملہ دو ہیں ایک تو متفق علیہ صحابی ہیں اور بہت متقدم ہیں جن کا نام کلثوم بن الحصین الغفاری ہے جنگ اُحد میں شریک تھے ان سے روایت کرنے کی تو زہری نے ہمّت نہ کی ہوگی۔ البتہ دوسرے جن کا نام احزاب بن اسید (بالفتح یا بالضم) السمعی ہے یہ اگرچہ تابعی ہیں مگر یہ بھی بہت متقدم۔ زمانہ جاہلیت پائے ہوئے تھے۔ آنحضرت م کی وفات کے بعد اسلام لائے اس لئے تابعی ہے ورنہ صحابی ہی ہوتے بعضوں نے ان کو صحابی لکھ بھی دیا ہے مگر غلط ہے بہرحال ابن شہاب کی پیدائش کے قبل ہی دونوں ابو رہم کی وفات ہے۔ [2] امام بخاری یا امام مسلم نے خود اپنی کسی کتاب میں اپنی شرطوں کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے مگر محدثین نے بطور خود کچھ شرطیں ان بزرگوں کی طرف منسوب کر دی ہیں۔

یہ وہیں رہتے تھے۔ ان کے شاگرد عقیل بن خالد بن عقیل الایلی کے ترجمہ میں ابن حجر لکھتے ہیں

کان الزھری یکون بایلۃ وللزھری ھناك ضیعۃ وکان یکتب ھناك الماجشون یعنے زہری ایلہ[1] میں رہتے تھے۔ وہاں زہری کا کاروبار تھا۔ وہیں ماجشون (عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمۃ الماجشون) زہری سے حدیثیں لکھتے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۲۵۲)

غرض ایلہ زہری کا آبائی وطن تھا۔ ان کے جدِ اعلیٰ کا نام "شہاب" بھی بتا رہا ہے کہ ان کا تعلق مصر یا شام کے اطراف سے تھا اور یہی بعد مکانی سبب تھا جس کی وجہ سے عروہ سے ان کی راہ و رسم نہ ہو سکی۔ خود ابن حجر نے ترجمہ زہری میں لکھا ہے کہ:۔

ولکن لا یثبت لہ السماع من عروۃ وان کان قد سمع من ھو اکبر منہ غیر ان اھل الحدیث اتفقوا علی ذالك واتفاقھم علی الشئ یکون حجۃ[2] یعنی: زہری کا عروہ سے حدیثیں سننا ثابت نہیں ہے۔ اگرچہ زہری نے ایسے لوگوں سے حدیثیں سنی ہیں جو عروہ سے عمر میں بڑے تھے۔ بلا ثبوت مان لینے کی اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ محدثین نے اس پر اتفاق کر لیا ہے اور ان لوگوں کا اتفاق کسی بات پر حجت یعنی سند ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۴۵)

اسی لئے ابن حجر رحمہ عروہ کے ترجمہ میں متاخرین محدثین کی ایسی ایسی روایتیں پیش کرتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا بہت ساتھ رہا ہے۔ اگرچہ بعض روایت کا کذب ادنیٰ تامل سے ثابت ہو جاتا ہے مثلاً عروہ کے ترجمہ میں ہے کہ زہری نے کہا ہے

---

[1] قاموس میں ہے کہ ایلہ مصر و ینبع کے درمیان ایک شہر ہے مگر معجم البلدان جلد اول صفحہ ۳۹۱ میں ہے کہ ایلہ شام کے قریب بحر قلزم کے ساحل پر واقع ہے۔ ایک قول ضعیف یہ بھی لکھا ہے کہ ایلہ حجاز و شام کی سرحد پر آخر حجاز اور اول شام میں واقع ہے یہ شہر ایلہ بنت مدین بن حضرت ابراہیم کے نام پر آباد ہوا۔ [2] اگر کوئی جماعت اپنی مصلحت غلط کے ماتحت محض ضرورۃً کسی بات پر اتفاق کر لے تو ایسا اتفاق کس طرح سند و حجت ہو سکتا ہے۔ یہاں محدثین نے بلا ثبوت محض اپنے شیوخ کی مرسل روایتوں کو متصل ثابت کرنے کے لئے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کہ عروہ کہتے تھے کہ میں لڑکا تھا اور میرے پاس دو پرتلے تھے تو میں عصر کی نماز کے بعد دو رکعت پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا تو مجھ کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھا اور ان کے ساتھ درّہ تھا تو جب میں نے ان کو دیکھا تو ان سے بھاگ چلا۔ تو انہوں نے لپک کر میرے پرتلے پکڑ لئے اور مجھ کو منع کیا۔ میں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! اب اس کا اعادہ نہ کروں گا۔ حالانکہ عروہ کے بھائی مصعب بن زبیرؓ کی روایت ہے کہ عروہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے چھٹے سال پیدا ہوئے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے بیس برس چھوٹے تھے۔ یہ حساب بھی صحیح نہیں بیٹھتا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت ۲۳ھ سے شروع ہوئی، چھ سال اور ملا لیجئے تو ۲۹ھ میں عروہ کی ولادت ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہجرت کے پہلے سال یعنے ۱ھ میں پیدا ہوئے اس لئے عروہ کو ان سے اٹھائیس سال چھوٹا ہونا چاہیئے۔ مگر خود عروہ کا بیان ہے۔ کہ میں جنگ جمل کے وقت ۱۳ برس کا تھا۔ اور جنگ جمل ۳۶ھ میں ہوئی تھی۔ اس حساب سے ان کی ولادت ۲۳ھ میں ہوتی ہے۔ اور خلیفہ نے بھی ان کا سال ولادت ۲۳ھ ہی لکھا ہے اور یہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے، اس حساب سے یہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے بائیس برس چھوٹے ہوتے ہیں اور یہ ممکن ہے کہ مصعب نے مہینے کے عوض غلطی سے برس کہہ دیئے ہوں۔ یہی قرین عقل معلوم ہوتا ہے یعنے ۲۳ھ میں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے زمام خلافت سنبھال لی۔ اور اس کے چھ ماہ بعد عروہ پیدا ہوئے ہوں۔ بہر حال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے چھ ماہ بعد پیدا ہوئے ہوں یا چھ برس بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کا واقعہ جو زہری ان کے متعلق بیان کرتے ہیں وہ تو ضرور غلط ہے۔

غرض متاخرین کی یہ کوشش ضرور رہی کہ کسی طرح عروہ سے زہری کا سماع ثابت کیا جائے تاکہ بخاری و مسلم وغیرہما کی روایتیں صحیح ثابت ہو سکیں۔ اسلئے یہ خوب سمجھ لینا

(بقیہ صفحۂ گذشتہ) دونوں کی لقاء خواہ مخواہ تسلیم کر لی ہے اور اس پر اتفاق کر لیا ہے۔ اسلئے ایک ایسی بات جس کا غلط ہونا معلوم ہو چکا اس پر لاکھ آدمی بھی بالاتفاق کسی ناجائز غرض کے ماتحت شہادت دیں تو کیا ایسی شہادت کے زور سے علم الیقین مٹ جائیگا؟ ہرگز نہیں۔

چاہیئے کہ متقدمین زُہری وعروہ سے قریبُ العہد تھے، ان کو ان دونوں کی لقاء و سماع کا جب کوئی ثبوت نہ مل سکا تو پھر متاخرین کو کہاں سے مل گیا؟ اور اگر کوئی ثبوت مل گیا تھا تو پیش کیا جاتا۔ بخاری ومسلم کو ان دونوں کے عدم لقاء یا عدم سماع کا حال معلوم نہ ہوا ہوگا۔ اور چونکہ دونوں معاصر تھے ہی۔ راویوں کے کہنے سے دونوں کی لقاء تسلیم کر لی اور راویوں کے کہنے پر اعتماد کر لیا۔ اپنے وقت کے اکابر محدثین سے اس کو دریافت ہی نہ کیا ہوگا۔ کیونکہ دریافت تو وہ بات کی جاتی ہے جس میں شک و شبہ ہو۔ معاصرت ثابت تھی۔ امکان لقاء کی شہادت خود عقل دے رہی تھی کیونکہ زہری کو بھی لوگوں نے مدنی ہی مشہور کر رکھا تھا۔ اسلئے ہم وطنی سے بھی لقاء وسماع کی توقع تھی۔ سماع کی شہادت وہ شیخ دے رہے تھے جس سے روایت کر رہے تھے اب پھر مزید تفتیش کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یہی وجہ ہوئی کہ بخاری جیسے سخت شرائط کے پابند (اگر واقعی وہ ان کے پابند تھے کیونکہ خود تو انہوں نے یہ کہیں نہیں کہا کہ میری یہ شرائط ہیں جن کی میں نے اپنی کتاب میں پابندی کی ہے۔) انہوں نے بھی دھوکا کھا کر زہری کی بلا واسطہ روایت عروہ سے قبول کر لی۔ اور بیسیوں حدیثیں اپنی کتاب الصحیح میں لکھ دیں۔ اور مسلم وغیرہ نے بھی اس میں بخاری کا اتباع کیا مسلم کو کیا تھا۔ یہ تو صرف معاصرت ہی دیکھتے تھے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے اور معاصرت موجود تھی امام مالک رحہ نے بھی ممکن ہے کہ بخاری ومسلم کی طرح دھوکہ کھایا ہو یا مرسل سمجھ کر حدیثیں لکھ لی ہوں یا یہ بھی کاتب مالک کی کارستانی ہو۔

امام ذہبی رحہ نے تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابن شہاب میں بضمن شیوخ انس بن مالک، محمود بن الربیع، سعید بن المسیّب اور ابوامامہ ابن سہل کے نام لکھ کر وطبقتہم ومن صغار الصحابۃ وکبار التابعین لکھ دیا ہے۔ عروہ بن الزبیر کا نام نہیں لکھا۔ البتہ عروہ ابن الزبیر کے ترجمے میں جہاں ان سے روایت کرنے والوں کے نام لکھے ہیں۔ وہاں زہری کا نام بھی ضرور لکھا ہے تو اس سے کس کو انکار ہے۔ زہری تو عروہ سے روایت کرتے ہی ہیں۔ اور نہ فقط عروہ سے بلکہ ابو رہم اور عبادہ بن صامت سے بھی روایت

کرتے ہیں جو ان کی ولادت سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ اختلاف تو صرف یہ ہے کہ محققین کے نزدیک وہ روایت مرسل ہے اور امام بخاری رح و مسلم وغیرہما کے نزدیک متصل۔ البتہ حافظ ابن حجر رح نے جہاں ان لوگوں کے نام لکھے ہیں، جن سے زہری روایت کرتے ہیں۔ وہاں عروہ بن الزبیر کا بھی نام لکھ دیا ہے اور عروہ کے ترجمہ میں جہاں ان سے روایت کرنے والوں کے نام لکھے ہیں۔ وہاں زہری کا نام بھی ہے۔ مگر باوجود اس کے خود حافظ ابن حجر رح ہی لکھتے ہیں اور یقین کے ساتھ لکھتے ہیں کہ زہری کا سماع احادیث عروہ سے ثابت نہیں ہے۔

ابن شہاب عروہ سے تقریباً ۳۲ سال چھوٹے تھے۔ عروہ کی وفات کے وقت ابن شہاب کی عمر پینتالیس سال ہو سکتی ہے۔ ابن شہاب اپنے والد مسلم بن عبیدُ اللہ کی وفات سے پہلے اپنے وطن ایلہ سے آکر کچھ دنوں مدینہ میں مقیم رہ کر حضرت علی بن الحسین رض کی صحبت میں رہے تھے۔ حضرت علی بن الحسین رض کی وفات اگرچہ بقول صحیح ۹۵ھ میں ہے مگر چونکہ زہری کے والد کی وفات تقریباً ۸۰ھ میں ہے۔ اس لئے ضرور ۸۰ھ یا اس سے کچھ پہلے یا بعد مدینہ آئے ہوں گے۔ اور عروہ بن الزبیر رض سے بھی راہ میں ملاقات ہو جاتی ہوگی، مگر وہ لقا جو محدثین کے یہاں معتبر ہے۔ یعنی لقاء بغرض سماع حدیث، اس کا اس وقت رواج ہی کہاں تھا کہ اس کا موقع نکالتے۔ یہی وجہ ہے کہ محققین نے لقاء و سماع حدیث کے نہ ہونے پر اپنا یقین ظاہر کیا۔ مگر متاخرین نے محض لقاء کے امکان کے ساتھ فقط امکان سماع کی بناء پر سماع کا یقین کر لیا۔ حالانکہ یہ سمجھنا چاہئے تھا۔ کہ وہ زمانہ عام طور سے اخذ احادیث کا تھا ہی نہیں۔ اس وقت تک خود ابن شہاب اولُ الجامعین کے دماغ میں جمع حدیث کا خیال بھی نہیں آیا تھا۔ اس لئے باوجود امکان لقاء کے اگر انہوں نے عروہ سے کوئی حدیث نہیں سنی، تو اس پر تحاشا کیوں ہے؟ بلکہ حضرت علی بن الحسین رض کی صحبت میں بھی جو یہ رہتے تھے تو ان کی غرض ان سے حدیثیں لینا نہ تھی بلکہ محض فیض صحبت اور ان کے پند و نصائح سے تمتع مقصود تھا۔ حدیثیں جمع کرنے کا اس وقت رواج ہوتا یا اسی زمانے میں اس کا خیال ان کو پیدا ہوا ہوتا تو یہ ضرور حضرت

علی بن الحسین و عروہ بن الزبیر رض ہی نہیں۔ نہ معلوم کتنے اہلِ مدینہ سے اس وقت حدیثیں لے لے کر جمع کرتے پھرتے اور ایک جگہ بیٹھ کر صرف حضرت علی بن الحسین رض ہی کے فیض صحبت پر اکتفا نہ کرتے۔

زہری کے مُرسلات بمنزلہ ریح ہیں

ابن حجر رح نے تہذیب التہذیب ترجمہ زہری میں لکھا ہے کہ یحییٰ بن سعید جو مشہور محدّث اور امام فن رجال تھے۔ کہا کرتے تھے کہ مرسلاتہ بمنزلۃ الریح یعنے زہری کی مرسل روایتیں "بمنزلہ ریح" ہیں اور آپ کو یہ معلوم ہو چکا کہ زہری ارسال کے ایسے خوگر تھے کہ ان کی متصل حدیثوں پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی مرسل ہی ہوں۔ الاّ ماشاءاللہ

زہری کا ارسال سخت خطرناک ارسال تھا۔

امام ذہبی تذکرۃ الحفّاظ جلد ۲ صفحہ ترجمہ زہری میں لکھتے ہیں کہ ابو قدامہ سرخسی یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ زہری کے مرسلات تمامی مرسلات سے بدتر ہیں۔ کیونکہ وہ حافظ احادیث تھے۔ ان کو اس کی قدرت تھی کہ ہر راوی کا نام بتا دیتے۔ وہ وہیں پر کسی راوی کا نام بیان نہیں کرتے۔ جہاں وہ اس کا نام لینا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ یعنے یہ سمجھ کر اس راوی کا نام کھا جاتے تھے کہ یہ ہے غیر معتبر لوگ اس کی حقیقت سے واقف ہیں، اگر اس کا نام ظاہر کر دیں گے تو پھر یہ روایت قابل تسلیم نہ ٹھہر سکے گی۔ اس لئے درمیانِ سلسلۂ اسناد سے وہ اس مجروح راوی کا نام چھوڑ کر روایت کرتے تھے۔

ان سے مُرسل[1] حدیثیں کتنی ہیں

یہ تو میں بتفصیل لکھ چکا کہ ان کی مسند و متصل روایتوں کے اسناد و اتصال پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ جس سے ان کی لقاء و سماع ثابت ہے یہ

[1] علماءِ اصول حدیث نے مرسل اور مرسل خفی اور منقطع میں کیا فرق ہے اور خود ان علماء میں ان کی تعریفوں کے متعلق اختلافات ہیں، یہ اس کا موقع نہیں کہ اس موضوع پر بحث کی جائے۔ اس لئے یوں سمجھنا چاہئے

اس سے بھی مرسل روایت کر سکتے تھے جبکہ ارسال کے خوگر تھے مگر محدثین جو ان کی مُسند حدیثوں کو مُسند مانتے ہیں، وہ بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان کی جتنی حدیثیں ہیں۔ ان میں صرف آدھی ہی حدیثیں مسند ہیں، باقی سب مرسل ہیں۔ چنانچہ امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صـ ۱۰۶ میں لکھتے ہیں کہ ابو داؤد نے کہا کہ زہری کی حدیثیں بائیس سو (۲۲۰۰) ہیں، جن میں نصف مُسند ہیں باقی سب مرسل۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ شاید ہی بیس فیصدی متصل ہوں۔

زہری اور ادراج

زہری کی عادت ادراج کی بھی تھی۔ ادراج کہتے ہیں۔ حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے الفاظ کے ساتھ اپنے الفاظ ملا دینے کو۔ یعنے حدیث میں اپنی طرف سے کچھ الفاظ درج کر دینا۔ کتاب المعتصر من المختصر صـ ۱۲۵ میں ۔ زہری کے متعلق لکھتے ہیں۔ کان یخلطُ کلامہٗ بالحدیث ولذٰلکَ قال موسٰی بن عقبۃ افصل کلامَ رسول اللہ من کلامِکَ یعنے زہری حدیث میں اپنی بات ملا دیا کرتے تھے، اسی لئے موسٰی بن عقبہ نے ایک بار زہری کو ڈانٹا تھا کہ تم رسولؐ اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے کلام کو اپنے کلام سے الگ رکھا کرو۔" غالباً اس واقعہ کے بعد موسٰی بن عقبہ نے جو کتاب زہری سے لکھی تھی جس کی صحت کا اعتراف یحیٰی بن معین نے کیا تھا۔ اس کو ضائع کر دیا۔ اور اسی لئے اسمٰعیلی نے کہا کہ موسٰی بن عقبہ نے زہری سے کچھ بھی نہیں سنا یعنے جو سنا تھا اس کو باقی نہیں رکھا۔ دیکھو تہذیبُ التہذیب ترجمہ موسٰی بن عقبہ جلد ۲۰ صـ ۳۶۲)

زہری اور تدلیس

حافظ ابن حجر رحؒ عسقلانی اپنی کتاب طبقات المدلسین صـ ۱۵ مطبوعہ مصر میں زہری کا بھی ذکر فرماتے ہیں:۔
وصفہ الشافعی وَالدارقطنی وغیر واحد بالتدلیس۔ یعنے: امام شافعیؒ دارقطنی اور متعدّد لوگوں نے زہری کو "تدلیس" کی صفت سے متصف کیا ہے۔

تدلیس کیا ہے؟

راوی اپنے شیخ یا سلسلۂ روایت کے کسی نام میں ایسی کوئی صورت قصداً اختیار کرے جس سے اس کی اصلی

وصحیح شخصیت جو متعارف تھی۔ اس پر پردہ پڑجائے اور سننے والے کا گمان کسی اور طرف چلا جائے، یہ تدلیس تو اسناد میں ہوئی اور متن حدیث میں بھی تدلیس ہوتی ہے کہ مفہوم ایسے دو پہلو طرز بیان یا ذو معنیین الفاظ میں ادا کئے جائیں۔ جن سے حدیث کے صحیح مفہوم کے عوض کسی غیر مقصود معنے کی طرف سامع کا ذہن چلا جائے یا صحیح مفہوم کے ساتھ کوئی غلط پہلو بھی پیدا ہو جائے۔ اسناد کی تدلیس سے متن حدیث کی تدلیس زیادہ بُری ہے جس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

تدلیس میں "قصد" کی شرط ہے یعنی مُدلّس (تدلیس کرنیوالا) جان بوجھ کر تدلیس کرتا ہے۔ اگر بھول چوک کی وجہ سے ایسا ہو جائے تو اس کو سہو و خطا یا نسیان کہا جائیگا۔ اور یہ راوی کے ضعف حافظہ کی دلیل ہے۔ اس لئے ایک ضعیف الحافظہ راوی بذات خود ثقہ ہو سکتا ہے مگر ایک مُدلّس کبھی ثقہ نہیں ہو سکتا۔

تدلیس کذب ہے

تدلیس کے مفہوم کو پوری طرح سمجھ لینے کے بعد ہر صاحب عقل و دیانت "تدلیس" کو بلا تامل کذب کہہ دے گا، مگر یہ ایک قیاس ہی نہیں ہے۔ اس کی ایک زبردست سند بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔ حافظ بن یزید بن زریع جو بہت بڑے محدث اور عبداللہ بن مبارک وعبدالرحمٰن بن مہدی جیسے اکابر محدثین کے شیوخ میں تھے اور جن پر کسی شخص کی خفیف سے خفیف جرح بھی نہیں ہے۔ نہایت ثقہ اور مسلم الثبوت شیخ المحدثین تھے۔ ان کے ترجمہ میں حافظ ابن حجر رح تہذیبُ التہذیب جلد ۱۱ ص ۳۲۷ میں لکھتے ہیں۔ وَحکیٰ ابن ابی خیثمۃ ان یزید بن زریع سئل عن التدلیس فقال التدلیسُ الکذب یعنے ابن ابی خیثمہ نے بیان کیا کہ یزید بن زریع سے پوچھا گیا۔ تدلیس کے بارے میں تو انہوں نے فرمایا کہ تدلیس کذب ہے

ارسال بھی ایک طرح کی تدلیس ہی ہے

ارسال کا حال ہم اُوپر لکھ چکے ہیں۔ فرق اس قدر ہے۔ کہ ارسال سہو و خطا کی وجہ سے بھی ممکن ہے۔ جیسا کہ محدثین کے عنوانِ بیان سے نکلتا ہے

اگرچہ میرے نزدیک سہو وخطا ونسیان کی وجہ سے جو ارسال کی صورت پیدا ہو، اس کو انقطاع کہنا چاہیئے اور بالقصد ایسی صورت جان بوجھ کر اختیار کی جائے ۔جیساکہ زہری کرتے تھے جس کی شہادت بروایت ابن ابی خیثمہ یحییٰ بن سعید کے قول سے میں نے پیش کی ۔اس کو ضرور ارسال کہنا چاہیئے ۔غرض بالقصد جب ارسال کیا جائے تو یقیناً یہ بھی اسنادی تدلیس کی ایک قسم ہے اور یقیناً یہ بھی ایک طرح کا کذب و دجل ہے۔ اس سے چشم پوشی کھلی ہوئی مداہنت فی الدین ہے ۔

ائمۂ رجال کی حد سے زیادہ چشم پوشی

ایسا نہ تھا کہ متقدمین ائمۂ حدیث ورجال زہری کی ان تمام باتوں سے ناواقف تھے وہ خوب جانتے تھے کہ ان کا نسبًا" زہری ہونے کا دعویٰ صحیح نہیں اور ان کا نسب نامہ جو بیان کیا جاتا ہے ، قابل اعتبار نہیں ،اسی لئے صرف ان کے اور انکے بھائی بھتیجے تک کے نام کے ساتھ تو ان کیطرف منسوب کردہ سلسلۂ نسب لکھ دیتے ہیں مگر جہاں قریش یا بنی زہرہ کا شجرۂ نسب لکھتے ہیں وہاں ان کی بُو بھی پہنچنے نہیں دیتے۔ وہ ان کے فتنۂ ارسال سے بھی خوب آگاہ تھے ۔مگر زیادہ حضرات تو خاموش ہی رہے ہے۔صرف یحییٰ بن سعید نے جرأت کر کے مرسلاتہٗ بمنزلۃ الرّیح کہہ دیا اور غنیمت ہے کہ ان کے ہمعصروں نے اس کو سُن لیا اور کچھ برافروختہ نہ ہوئے۔ ان کی تدلیس سے بھی سب کے سب باخبر تھے ۔مگر صرف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے علی الاعلان مدلس کہا اور پھر بعض دوسرے محدثین نے بھی اس کا اعتراف کرلیا۔ یعنی دبی زبان سے ان کو مدلس بھی تسلیم کرلیا۔ اور مرسل روایت کرنے والا تو علی الاعلان سب تسلیم کرہی رہے ہیں ۔ اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے تھے سب کے سب تو اُن کے تلامذہ ہی میں تھے ۔یا تلامذہ کے تلامذہ ہیں ۔سب سے پہلے جامع حدیث بھی تھے ۔حدیثوں کا سب سے بڑا ذخیرہ محدثین کو انہیں سے ملا ۔اگر ان کو سرے سے ناقابل اعتبار کہہ دیتے تو پھر حدیثوں کے ان ذخیروں سے جو ان کے ذریعہ سے ملا، ہاتھ دھو بیٹھنا پڑتا ۔اتنی باتیں جو عام طور سے بہ خاص و عام میں مشہور تھیں۔ ان کا اعتراف بھی مجبوراً کیا ۔اور پھر ان کے فضائل و مناقب کے گیت گانے لگے۔

عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ ابن شہاب کہتے تھے کہ میں نے کبھی کسی عالم سے کچھ دریافت نہیں کیا۔ (تہذیبُ التّہذیب ترجمہ زہری جلد ۹ صہ ۴۴۸ اور جلد ۴ صہ ۲۲۵ ترجمہ اعمش میں لکھا ہے کہ یحییٰ بن معین کے سامنے کسی نے کہا کہ ابن شہاب زہری، اعمش کیطرح ہیں۔ تو ابن معین نے کہا کہ کیا واسطہ! زہری ایک دنیادار تھے، دنیاوی عزّت و وجاہت کے طالب، خلفاء کی خدمت گذاری میں رہا کرتے تھے بخلاف اعمش کے کہ یہ ایک فقیر آدمی تھے۔ سلاطین و اُمراء کے درباروں سے کنارہ کش پرہیزگار اور عالم قرآن حکیم تھے۔

تہذیبُ التّہذیب جلد ۹ صہ ۴۰۹ میں ان کا قول نقل کیا ہے کہ یہ فرماتے ہیں:۔

"علم حدیث جتنا ہم نے پھیلایا ہے کسی نے بھی نہیں پھیلایا اور جس قدر ہم نے خرچ کیا کسی نے بھی نہیں خرچ کیا۔"

ان کا حافظہ بہت قوی تھا۔ ہشام بن عبدالملک نے اپنے ایک لڑکے کے لئے کچھ حدیثیں لکھ دینے کے لئے ان سے فرمائش کی۔ تو انہوں نے زبانی چارسو حدیثیں اسی مجلس میں لکھوا دیں۔ کچھ دنوں کے بعد ہشام نے کہا کہ وہ جو تم نے لکھوا دیا تھا، کھو گیا پھر لکھوا دو، تو انہوں نے پھر لکھوایا۔ پہلے مسوّدے سے ملایا گیا۔ تو ایک حرف کا بھی فرق نہ تھا۔ صالح بن کیسان نے کہا کہ ہم اور زہری ساتھ ساتھ حدیثیں لکھتے تھے تو جو کچھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے سنن ملے۔ ان کو تو ہم دونوں نے لکھا مگر جب آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ملے تو زہری نے لکھا اور ہم نے نہیں لکھا۔ بعد کو غور کیا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے اچھا کیا اور میں نے مواقع کو ضائع کیا۔

واضح رہے کہ ابن شہاب زہری کی دیانت پر حملہ نہیں کر رہا۔ ممکن ہے انہوں نے نیک نیتی سے حدیثیں جمع کرنا شروع کیں۔ مگر آغاز کار کے وقت ایسے کاموں میں بے احتیاطی ضرور ہوا کرتی ہے۔ حدیثوں کے لکھنے کی ممانعت کا غلغلہ اس زمانے میں عام تھا۔ اس لئے انہوں نے جس سے جو حدیث سنی یاد کر لی۔ لکھا بھی تو یاد کرنے کے لئے لکھا اور پھر اسی مسودے کو ضائع کر دیا۔ راویوں کی جرح و تعدیل کا اس وقت نام و نشان بھی نہ تھا اور نہ چند

اس کی ضرورت سمجھی جاتی تھی۔ اسلئے کہ تابعین ہی سے تو حدیثیں سنتے تھے۔ پہلے ہی راوی کے بعد کسی صحابی کا نام آتا تھا۔ تابعین کے ساتھ حسن ظن سے کام لینا منصب تابعیت کے احترام کے پیش نظر ضروری تھا اس لئے جو روایت بھی ملی، کسی پس و پیش کے بغیر اس کو قبول کر لیا اور یاد کر لیا۔

ان کے تلامذہ میں اکابر محدثین ہوئے مثلاً امام مالکؒ، خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز عمرو بن دینار رحمہ اللہ، صالح بن کیسان یحییٰ بن سعید الانصاری، ایوب السختیانی، امام اوزاعی، محمد بن المنکدر، ہشام بن عروہ اور سفیان بن عیینہ وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ ان جیسے اکابر محدثین نے ان کی مسامحتوں اور کمزوریوں سے واقفیت کے باوجود ان سے حدیثیں لیں۔ کیونکہ اگر ان کو چھوڑ دیتے تو پھر کہاں جاتے اور کس سے حدیثیں لیتے۔ سب سے پہلے حدیثیں جمع کرنے والے تو یہی تھے۔ البتہ ان کی حدیثوں میں سے جو حدیثیں جس کو قریب الی الصحت اسکے ذہنی معیار کے مطابق نظر آئی۔ وہی حدیثیں اس نے لیں اور باقی کو اس نے چھوڑ دیا مگر جس نے جن حدیثوں کو قبول کیا یہی سمجھتے ہوئے قبول کیا کہ یہ حدیثیں غالباً صحیح ہوں گی نہ کہ قطعی طور سے ان کو صحیح سمجھ کر۔

ابن شہاب منافقین عجم کی ریشہ دوانیوں سے واقف نہ تھے۔ اس لئے ان کو تابعین کی جماعت سمجھ کر ان کی من گھڑت حدیثیں اطمینان سے لیتے رہے اور نادانستہ اُن کے کذب و افتراء میں ان کا ہاتھ بٹاتے رہے اور ان کا مقصد پورا کرتے رہے۔ جیسا کہ وہ حدیثیں جو صرف انہی کی روایت سے محدثین کو ملی ہیں۔ ان پر غور کرنے سے صاف پتہ مل جاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمانِ ولا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین آمنوا۔ ربنا انک رءُوفٌ رّحیم

زہری کی بعض روایات کا تجزیہ

امام زہری کے سوانحی حالات علامہ تمنا کے مضمون میں بیان ہو چکے۔ اب امام زہری کی روایت کردہ کچھ احادیث ملاحظہ کر لی جائیں، جن کی بنا پر دشمنان اسلام، اسلام کی انتہائی اہم بنیادوں پر کاری ضربیں لگانے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔

سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے آغاز والی روایت زہری پر علامہ تمنا کے قلم سے تبصرہ پیش کیا جاتا ہے۔ پھر اسی روایت زہری پر ایک دوسرے انداز میں مولانا جعفر شاہ پھلواری کی توضیحات ہوں گی۔

○ اسکے بعد جمع قرآن سے متعلق امام زہری کی روایات کا آپریشن کر کے حضرت مفتی عبداللطیف رحمانی نے ان کا زہر نکالنے کی کوشش کی ہے۔

○ ان کے بعد مولانا حکیم نیاز احمد فاضل دیو بند نے امام زہری کے حالات کا تجزیہ کر کے بتایا ہے کہ یہ وہ حیرت انگیز شخص ہیں جو اپنے تشیع کے باوجود اور درباری اکھاڑ پچھاڑ کے علی الرغم بنوامیہ کے کئی حکمرانوں کے مسلسل درباری رہے بلکہ خلفاء بنو امیہ کی نئی نسلوں کے اتالیق رہے ظاہر ہے اپنے مخالف یعنی ماحول سے سمجھوتہ کر کے اس پر اثر انداز ہوتے رہنے کے لئے کس قدر گہری اور رنگا رنگ سمجھوتوں کی ضرورت رہی ہو گی جن سے امام زہری جیسا جینئس ہی عہدہ برآ ہو سکتا تھا۔ اسکے ساتھ وہ اپنے مسلکی مشن کے لئے عوامی سطح پر کام کرتے رہے جسکی دو مثالیں اوپر پیش کی جا چکی ہیں یعنی رسول اللہؐ کی نبوت ہی کو مشکوک قرار دینے کے لئے آغاز وحی والی روایت اور قرآن کریم کو مشکوک قرار دینے کے لئے جمع قرآن کی روایات۔ اس مضمون میں حکیم صاحب نے امام زہری کے تجزیے کے ساتھ امام زہری کی اس روایت کا تجزیہ بھی کیا ہے جسمیں ام المومنین عائشہؓ صدیقہ کی عصمت کو لیکن دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

○ چوتھے نمبر پر مولانا احمد شاہ بخاری کے شاگرد مولانا محمد نافع صاحب کی کتاب رحماء بینھم سے سنی شیعہ مباحث پر امام زہری کی روایات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے جس سے اصل حقائق کے ساتھ امام زہری کا مسلکی نقطہ نظر بھی ابھر آتا ہے۔

انشاء اللہ ان مضامین کے مطالعہ سے امام زہری کا وہ رخ عام قارئین کرام کے سامنے بھی بے نقاب ہو جائے گا جس پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے (طاہر)

ورقہ بن نوفل اور آغاز وحی

(زہری کی روایت کی روشنی میں)

از علامہ تمنا عمادی

صحیح بخاری کا سب سے پہلا باب کیف کان بداء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء کس طرح ہوئی ؟ اس باب کی تیسری حدیث کو ملاحظہ فرمایئے ۔ جس کو امام بخاری ۔ یحیٰ ابن بکیر سے وہ لیث بن سعد سے اور لیث عقیل ایلی سے اور وہ ابن شہاب ابن زہری سے ، اور وہ عروہ بن زبیر سے اور وہ حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں ۔ یحیٰ بن بکیر اور لیث بن سعد دونوں تو مصری ہیں ۔ لیث تو دراصل اصفہانی تھے ۔ قریش کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھے (تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۴۵۹) ۔ اسی طرح یحیٰ ابن بکیر بھی قریش کے آزاد کردہ غلام تھے باوجودیکہ بخاری و مسلم دونوں ان سے روایت کرتے ہیں ۔ مگر ابن حجر اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ابو حاتم کا قول ہے کہ ان کی حدیثیں لکھ لی جائیں ۔ مگر وہ سند و حجت نہیں ہیں امام نسائی نے ان کو ضعیف اور غیر ثقہ کہا ہے امام مالک کے کاتب حبیب بن ابی حبیب جو مشہور وضاع و کذاب اور مفتری تھا ۔ اس کے یہ شاگرد تھے اور اسی کے ذریعے سے موطا کی روایت کیا کرتے تھے ، اور امام مالک کی طرف منسوب کر کے ایسی ایسی حدیثیں روایت کیا کرتے تھے ، جن کو ان کے سوا اور کوئی روایت نہیں کرتا تھا ۔ امام بخاری نے خود تاریخ صغیر میں لکھا ہے کہ ابن بکیر جو تاریخی باتیں اہل حجاز سے روایت کرتے ہیں میں ان کی نفی کرتا ہوں ، (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۸) ۔ اور ابن حجر عقیل بن خالد بن عقیل کو حضرت عثمان رضی عنہ کا آزاد کردہ غلام لکھتے ہیں ۔ مگر یہ نہیں ان کے باپ خالد بن عقیل آزاد کردہ غلام ہوں گے ۔ یہ ابن شہاب زہری کے ہموطن یعنی مقام ایلہ کے رہنے والے تھے اور زہری کے خاص شاگردوں میں تھے اور زہری سے ایسی ایسی حدیثیں روایت کرتے تھے جنھیں ان کے سوا کوئی دوسرا روایت نہیں کرتا تھا ۔ اور یہی حدیث کو ابن شہاب زہری سے روایت کر رہے ہیں ۔

ابن شہاب زہری والے مضمون میں تہذیب التہذیب کی عبارت بحوالہ جلد و صفحہ

نقل کر کے اور دوسرے دلائل سے بھی ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ابن شہاب زہری کا عروہ بن الزبیر سے حدیث سننا باجماع محدثین ثابت نہیں ہے، اور نہ قرین قیاس ہے۔ اس لئے یہ حدیث بھی مرسلات محمد بن مسلم ابن شہاب زہری میں سے ہے۔ اور ہم ان کے حالات میں لکھ چکے ہیں کہ آئمہ حدیث کے نزدیک ابن شہاب زہری کی مرسل حدیثیں بمنزلہ الریح ہیں۔

یہی حدیث بخاری کے باب التعبیر کی ابتداء میں بھی انہیں اسناد سے مروی ہے۔ مگر ایک تحویل کے ساتھ جس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری نے اس حدیث کو عبداللہ بن محمد المسندی البخاری سے بھی سنا۔ اور انھوں نے عبدالرزاق بن ہمام سے، انھوں نے معمر سے، انھوں نے زہری سے۔ عبدالرازاق بن ہمام بھی ایک غلام آزاد کردہ تھے حمیریوں کے اور شیعہ تھے۔ جن کو عباس عنبری نے کذاب کہا ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۳۱۴)

اب چاہے یہ حدیث واقعی ابن شہاب زہری ہی کو منافقین عجم نے تلقین کی ہو، یا ان کے بعد والے عجمی اویبوں کی شکم زاد ہو اور انھوں نے اس کو زہری کے سر تھوپ دیا ہو۔ بہر حال اس حدیث میں بعض خطرناک من گھڑت اضافے ضرور ہیں، جن کی خطرناکی روایت پرستی کے جذبات سے الگ ہو کر اگر تھوڑا تامل کیا جائے تو صاف طور سے معلوم ہو سکتی ہے، اور پھر درایت قرآنیہ کی مخالفت، عقل سلیم کی مخالفت علاوہ برآں ہے۔

پوری حدیث کی عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ طوالت طلب ہے، اس لئے میں صرف ترجمے پر اکتفا کرتا ہوں۔ امام بخاری لکھتے ہیں: ۔

ابن شہاب زہری عروہ بن الزبیر سے اور وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں اور حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کہ پہلے پہل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء ہوئی تو رویائے صالحہ (صحیح خواب سے) نیند میں۔ تو آپ جو خواب بھی دیکھتے تھے۔ وہ نمود سحر کی طرح ظاہر ہو جاتا تھا (یعنی اسکی تعبیر) پھر آپؐ کو تخلیہ پسند ہوا تو آپ غار حرا میں تخلیہ رکھنے لگے اور اس میں تحنث (یکسوئی کے ساتھ غور و فکر) کرنے لگے کئی کئی راتیں، پھر پلٹتے تھے اپنی بیوی (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا) کے پاس اور کھانے پینے کا سامان لے جاتے تھے پھر (جب وہ خرچ ہو جاتا تھا تو) حضرت خدیجہ رضی

اللہ عنہا کے پاس واپس آتے تھے اور کھانے پینے کا سامان لے جاتے تھے ۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس حق اچانک آگیا (یعنی وحی آگئی) اور آپؐ غار حرا میں تھے ۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتہ پہنچا ۔ اور اس نے کہا کہ پڑھو ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں ۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو پکڑ لیا اس فرشتے نے اور بھینچا ۔ (۱) جہاں تک میں اپنے آپ کو سنبھال سکتا تھا ۔ پھر مجھکو چھوڑ دیا پھر کہا کہ پڑھو ، تو میں نے پھر کہا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں ۔ پھر اس (فرشتے) نے مجھ کو پکڑا اور بھینچا جہاں تک میں اپنے آپ کو سنبھال سکتا تھا ۔ پھر مجھ کو چھوڑ دیا ۔ اور پھر کہا کہ پڑھو ۔ پھر اس نے مجھکو پکڑا اور بھینچا ۔ تیسری بار پھر مجھ کو چھوڑ دیا ۔ پھر کہا کہ **اقراء باسم ربک الذی خلق ۷ خلق الانسان من علق ۷ اقراء وربک الاکرم** تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے واپس آئے ، دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اور حضرت خدیجہ بنت خویلد کے پاس پہونچے اور کہا کہ مجھ کو کمبل اڑھاؤ کمبل اڑھاؤ ۔ تو انھوں نے آپ کو کمبل اڑھا دیا ۔ یہاں تک کہ آپ کی گھبراہٹ دور ہو گئی تو (حضرت) خدیجہ سے آپ نے پورا واقعہ بیان فرماتے ہوئے کہا کہ مجھ کو اپنی جان کا خطرہ ہے تو خدیجہ نے کہا ہرگز نہیں اللہ کی قسم اللہ آپ کو کبھی غمگین نہیں کرے گا (یا کبھی رسوا نہیں کرے گا) آپ صلہ رحم کرتے ہیں ، بیکسوں کا بوجھ اٹھا لیتے ہیں ، پھر خدیجہ ان کو اپنے ساتھ لے چلیں ۔ یہاں تک کہ پہنچیں ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ اپنے چچیرے بھائی کے پاس ۔ اور وہ ایک ایسے شخص تھے جو زمانہ جاہلیت میں نصاریٰ ہو گئے تھے ۔ اور عبرانی زبان میں کتاب (انجیل) کا ترجمہ کرتے تھے (کیونکہ انجیل سریانی زبان میں تھی) ۔ (۲) جب تک اللہ نے چاہا کہ وہ لکھیں اور وہ تھے بہت بوڑھے ، اندھے ہو گئے تھے تو حضرت خدیجہؓ نے ورقہ سے کہا کہ اے میرے چچا کے بیٹے ! تم اپنے بھتیجے سے (ان کا حال) سنو تو ورقہ نے آپؐ سے کہا کہ اے میرے بھتیجے ! وہ کیا ہے جو تم دیکھتے ہو ؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا ۔ ان سے بیان کیا ۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ نے کہا کہ یہی وہ ناموس ہے ۔ جس کو اللہ نے موسیٰ پر اتارا تھا ۔ کاش کہ میں اس (زمانے) میں جوان رہتا ۔ اے کاش کہ میں اس وقت زندہ رہتا ۔ جب کہ تمہاری قوم تم کو نکالے گی ۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حیرت سے) پوچھا کہ کیا وہ لوگ مجھ کو نکالنے والے ہوں گے ؟ ورقہ نے کہا کہ ہاں

کوئی شخص ایسی چیز لے کر نہیں آیا ۔ جیسی کہ تم لائے ہو ۔ مگر وہ عداوت کیا گیا ۔ اور اگر تمہارے زمانے نے مجھ کو پالیا تو میں تمہاری مدد کروں گا زبردست مدد ۔ پھر ورقہ نے کچھ ہی دنوں بعد انتقال کیا ۔ اور وحی رک گئی ۔ (۱)

ایسی ہی حدیث ابن جریر طبری ۔ احمد بن عثمان معروف بابی الجوزاء سے وہ وہب بن جریر سے وہ اپنے باپ جریر بن حازم سے وہ نعمان بن راشد سے اور وہ زہری سے انھیں اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں ۔ وہب بن جریر اور ان کے باپ جریر بن حازم اور نعمان بن راشد یہ سب بصری ہیں اور نعمان بنی امیہ میں سے کسی کے آزاد کردہ غلام تھے اور یہ سب کے سب منکر الحدیث ضعیف الحدیث تھے ۔ غرض ابن جریر کی اس متابعت سے کوئی تقویت اس حدیث کو نہیں پہنچی خصوصاً جب وہ متابعت ضعیف الحدیث منکر الحدیث راویوں سے مروی ہو ۔ پھر خصوصاً جب کہ سب ابن شہاب زہری ہی تک پہنچتے ہوں ۔

ابن جریر نے ایک روایت اور بہم پہنچائی ہے ۔ جس کو وہ محمد بن عبدالملک بن ابی الشوارب سے ۔ وہ عبدالواحد بن زیاد سے ۔ وہ سلیمان الشیبانی سے اور وہ عبداللہ بن شداد سے روایت کرتے ہیں ۔ اور ابن شداد بلا واسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر رہے ہیں عبدالواحد بن زیاد بصری تھے مگر کوفے میں بھی رہا کرتے تھے ۔ اعمش جو مشہور شیعہ محدث تھے اور اہل سنت میں بھی بڑے محدث مانے جاتے تھے مگر محدثین نے ان کو " مفسد حدیث اہل الکوفہ " کہا ہے ۔ ان کے یہ خاص شاگرد تھے ۔ اور جن حدیثوں کو حضرت اعمش اپنے اکابر تلامذہ یعنی اہل سنت محدثین کے سامنے پیش نہیں کر سکتے تھے ۔ ان کو عبدالواحد بن زیاد جیسے خاص شاگردوں کے ذریعہ عوام میں پھیلایا کرتے تھے ۔ اور حضرت اعمش کے اس کام میں رفیق کار ان کے ہم خیال وہم مذہب وہم مشرب اور پھر ہمعصر بھی ابواسحق السبیعی تھے ۔ اسی لئے ان لوگوں کے ایسے ایسے خاص تلامذہ ان دونوں کے مشترک اور غیر مشترک رہتے تھے ۔ جن کا کچھ ذکر میں نے اپنے رسالہ **المکتہ فی ذکر الاصحاب الستۃ** میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ کیا ہے ۔

ابن جریر کی پہلی حدیث جس کو وہ احمد بن عثمان النوفلی البصری سے روایت کرتے ہیں ۔ ان کے متعلق یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ یہ نوفل بن عبدمناف کی اولاد میں سے اور ورقہ بن نوفل یا ان کے بھائیوں میں سے کسی سے نسبی لگاؤ رکھتے ہیں ۔ بلکہ یہ بنی

نوفل میں سے کسی کے آزاد کردہ غلام تھے ۔ اسی لئے ان کے آباؤ اجداد میں سے کسی کا تعلق بھی مکہ مکرمہ سے کبھی نہیں رہا سن ۲۴۶ میں انھوں نے وفات پائی ۔ ان کے اجداد میں جو عبد اللہ بن سنان کا نام آتا ہے ۔ وہ عبداللہ بن سنان صحابی نہیں کیونکہ صحابی جو تھے وہ نوفلی نہیں تھے ۔ بلکہ وہ مزنی تھے البتہ احمد بن عثمان النوفلی کے اجداد میں جو عبداللہ بن سنان تھے ممکن ہے کہ یہ وہ عبداللہ بن سنان ہوں جو شیعہ تھے اور اصول کافی (حدیث شیعہ میں) حضرت ابو عبداللہ جعفر صادق سے روایت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ غالبا انہیں کا ذکر ابن حجر نے لسان المیزان جلد ۳ صفحہ ۲۹۷ میں کیا ہے ۔ مگر ان کو نوفلی نہیں بلکہ زہری لکھا ہے ۔ یعنی وہ لکھتے ہیں عبداللہ بن سنان الزہری الکوفی نزیل بغداد جو ہشام بن عروہ بن الزبیر سے روایت کرتے ہیں انھیں ضعیف الحدیث لکھا ہے ۔ ممکن ہے کہ تفرقہ پیدا کرنے کے لئے شیعہ ائمہ رجال نے ان کو نوفلی قرار دیدیا ہو ۔ بہر حال یہ احمد بن عثمان النوفلی معروف بابی الجوزا محض تھرڈ کلاس کے راوی ہیں ۔ مگر مسلم ، ترمذی اور نسائی میں ان کی دو ایک حدیث مروی ہے ، اس لئے صرف ابوحاتم نے ان کو "ثقہ" لکھدیا ہے اور نسائی نے "لاباس بہ" کہا ہے اور "لا باس بہ" کا مفہوم ائمہ فن کے نزدیک یہ ہے کہ "غیرہ خیرمنہ" ۔ یعنی اس کے سوا ہر دوسرا راوی اس سے اچھا ہے ۔ اور باقی تمام ائمہ رجال نے ان کے متعلق خوشی اختیار کی ہے ۔ احمد بن عثمان روایت کرتے ہیں وہب بن جریر بن حازم سے ۔ یہ بھی "لیس بہ باس" ہیں ۔ بلکہ بعضوں نے ان کے متعلق کچھ کلام بھی کیا ہے ۔ شعبہ سے چار ہزار حدیثیں روایت کرتے تھے ۔ مگر امام احمد فرماتے ہیں کہ انھوں نے شعبہ سے کچھ بھی نہیں سنا ۔ ابن حبان نے ان کو حدیثوں میں خطا کا مرتکب بھی لکھا ہے ۔ یہاں تک تو تہذیب التہذیب میں ہے ۔ اور امام ذہبی میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۲۱ ترجمہ محمد بن اسحاق میں لکھتے ہیں کہ امام یحیٰی بن سعید القطان نے عبداللہ القواریری سے پوچھا کہ تم کہاں جارہے ہو ؟ انھوں نے کہا کہ وہب بن جریر کے پاس سیرت لکھنے کے لئے ، یحیٰی القطان نے فرمایا کہ **تکتب کذبا کثیرا** تم بہت ساری جھوٹی باتیں لکھ لاؤ گے ۔

وہب بن جریر ، اس حدیث کو اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں ۔ ان کا بھی حال سن لیجئے ، جریر بن حازم اور بھی مجروح ہیں ۔ ان پر خطاء و وہم کے علاوہ منکر حدیثیں روایت کرنے کا بھی الزام ہے ۔ اور الٹ پلٹ حدیثیں روایت کرنے کا بھی اور تدلیس کا

بھی ۔

جریر صاحب اس حدیث کی روایت نعمان بن راشد سے کرتے ہیں ۔ جن کو امام بخاری نے ضعفاء میں شمار کیا ہے یحییٰ بن معین " ضعیف لیس بشئی " کہتے ہیں نسائی نے ضعیف کثیر الخطاء لکھا ہے ۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی حدیثیں الٹ پلٹ ہیں ، اور متعدد لوگوں نے **ضعیف لیس بالقوی مضطرب الحدیث منکر الحدیث** وغیرہ کہا ہے

یہی نعمان بن راشد اس حدیث کو حسب روایت ابن جریر الطبری زہری سے اور وہ عروہ بن الزبیر سے اور وہ حضرت ام المومنین صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں ۔ اور میں لکھ چکا ہوں تہذیب التہذیب کے حوالے کے ساتھ کہ زہری کا عروہ بن الزبیر سے حدیثوں کا سننا باجماع محدثین ثابت نہیں ۔ اس لئے بخاری کی روایت کی طرح یہ بھی بمنزلہ الریح ہے ۔

پھر یہی روایت ابن جریر یونس بن عبدالاعلیٰ سے وہ ابن وہب سے وہ یونس سے اور وہ ابن شہاب زہری سے کرتے ہیں ۔ مگر جب ابن شہاب زہری ہی تک یہ سلسلہ بھی پہنچا ہے ۔ تو پھر ادہر کے راویوں کی تنقید میں وقت کیوں ضائع کیا جائے ۔

ابن جریر نے ایک دوسری روایت محمد بن عبدالملک بن ابی الشوارب سے ، انھوں نے عبدالواحد بن زیاد سے انھوں نے سلیمان الشیبانی سے انھوں نے عبداللہ بن شداد سے پیش کی ہے ۔ جس کو عبداللہ بن شداد نے بلا واسطہ کسی کے بیان کیا ہے ۔ جس میں مذکور نہیں ہے کہ حضرت خدیجہؓ رسول اللہؐ کو ساتھ لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئی تھیں بلکہ صاف طور سے یہ مذکور ہے کہ حضرت خدیجہؓ (خود تنہا) ورقہ کے پاس گئیں ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا واقعہ ان سے بیان کیا ۔ ورقہ نے حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ اگر تو اس قول میں سچی ہے تو تیرا شوہر ضرور نبی ہے اور اپنی امت کی طرف سے سختی پہونچے گی اگر مجھ کو اس کا وقت ملا تو میں اس پر ایمان لے آؤں گا ۔

اس روایت کا سلسلہ ہی منقطع ہے ۔ عبداللہ بن شداد نے کس سے سن کر بیان کیا ۔ یہ روایت میں مذکور نہیں ۔ یہ اگرچہ کوفہ میں نہیں رہتے تھے ۔ مگر ابن حجر لکھتے ہیں " کان یاتی الکوفہ " یہ کوفے میں برابر آیا کرتے تھے ۔ شیعہ تھے ۔ کبھی تقیہ کر کے اپنے کو عثمانی بھی ظاہر کر دیتے تھے ۔ غالباً حجاج بن یوسف کو خوش کرنے کے لئے عثمانی بن گئے

ہوں گے ۔ اسی لئے ابن سعد نے لکھدیا کہ " کان عثمانیا " یہ عثمانی تھے ۔ مگر ابن حجر نے اس پر تعجب کا اظہار کیا ہے اور دو جگہ ان کے شیعہ ہونے کا ذکر کیا ہے ۔ حجاج کے ہی زمانہ میں یہ قتل کئے گئے ۔ شاید ان کا تقیہ ظاہر ہو گیا ، بقول ابن حجر ان کی وفات ، سن ۸۱ یا سن ۸۲ میں ہوئی ۔

ابن جریر نے ایک اور لمبی چوڑی حدیث حضرت عبداللہ بن زبیر سے روایت کی ہے ۔ جس کو وہ اب ابن حمید سے وہ سلمہ سے وہ محمد بن اسحاق سے ، وہ وہب بن کیسان سے وہ عبد اللہ بن الزبیر سے روایت کرتے ہیں ۔ اس حدیث میں اور بھی تفصیلات ہیں جو دوسری حدیثوں میں نہیں ہیں ۔ اس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سویا ہوا تھا کہ فرشتہ میرے پاس ایک ریشمی رومال لے کر آیا ۔ (۱) جس میں ایک کتاب تھی ۔ اس کو پیش کر کے اس نے کہا کہ پڑھو ۔ میں نے کہا کہ میں پڑھتا نہیں ہوں تو انہوں نے مجھ کو بھینچا ۔ یہاں تک کہ میں یہ سمجھا کہ بس اب یہ موت ہی ہے پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا پھر کہا کہ پڑھو میں نے کہا کون سی چیز میں پڑھوں ۔ اور میں یہ نہیں کہتا تھا مگر اس توقع پر کہ وہ پھر میرے ساتھ ایسا ہی کرے ۔ تو اس نے کہا

اقراء باسم ربک الذی خلق .... علم الانسان مالم یعلم

تک تو میں نے اس کو پڑھ دیا ۔ پھر وہ رک گیا ۔ اور میرے پاس سے چلا گیا ۔ پھر میں اپنی نیند (۲) سے بیدار ہوا ۔ اور گویا اس نے میرے دل میں ایک کتاب لکھدی ۔ اور اللہ کی مخلوق میں سے کوئی چیز ایسی جس سے مجھ کو بغض ہو نہیں تھی شاعر (۳) اور مجنوں سے زیادہ ۔ میں ان دونوں کی طرف دیکھ نہیں سکتا تھا ۔ آپ نے فرمایا کہ بربادی ہے شاعر اور مجنوں کے لئے اور اس سے مراد لیا اپنے نفس کو ایسا نہ ہو کہ قریش میرے بارے میں ایسے الفاظ بولنے لگیں ۔ میں پہاڑ کی کسی چوٹی پر پہنچ کر اپنے آپ کو گرادوں گا ۔ اور اپنے کو قتل کر کے راحت حاصل کروں گا ۔ (یہ سوچ کر) میں چلا جب بیچ پہاڑ پر پہنچا تو ایک آواز سنی جو آسمانی آواز تھی کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ اے محمدؐ تم اللہ کے رسول ہو اور میں جبرئیل ہوں ۔ تو میں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا تو مجھ کو جبرئیل ایک انسانی صورت میں نظر آئے ۔ ان کے دونوں قدم آسمان کے کنارے پر تھے کہہ رہے تھے کہ اے محمد تم رسول اللہ ہو اور میں جبرئیل ہوں تو میں ہٹ کر ان کی طرف دیکھنے لگا اور جو کچھ سوچ کر چلا تھا ۔ اس کی طرف سے غافل ہو گیا ۔ تو پھر نہ آگے بڑھ سکا ۔ اور نہ

پیچھے ہٹ سکا ۔ پھر میں ادہر ادہر آسمان کے کناروں پر نظر دوڑانے لگا ۔ تو جس طرف نظر لے جاتا تھا ۔ ان کو اسی طرح اس طرف دیکھتا تھا ۔ اسی طرح میں کھڑا دیکھتا رہا ۔ نہ آگے بڑھتا نہ پیچھے ہٹتا ۔ یہاں تک کہ خدیجہ نے کچھ لوگوں کو میری تلاش میں بھیجا آخر وہ لوگ ناکام واپس گئے خدیجہ کے پاس اور میں یہاں اپنی جگہ پر کھڑا تھا ۔ پھر جبرئیل میری نظروں سے اوجھل ہو گئے تو میں خدیجہ کے پاس چلا آیا اور خدیجہ کے پہلو میں بیٹھ گیا ۔ انھوں نے پوچھا کہ اے ابوالقاسم ! تم کہاں تھے ؟ میں نے تمہاری کھوج میں آدمی دوڑائے تھے ، آخر وہ ناکام میرے پاس واپس آئے میں نے کہا کہ بربادی ہے شاعر یا مجنوں کے لئے ، خدیجہ نے کہا کہ میں ان چیزوں سے تمہارے لئے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اے ابوالقاسم ! اللہ تمہارے ساتھ ایسا کبھی نہیں کرے گا باوجود اس کے جو میں جانتی ہوں تم میں باتوں کی سچائی اور امانت داری کی عظمت اور حسن اخلاق اور صلہ رحم ۔ تو کیا ہے اب میرے چچا کے بیٹے ! شاید تم نے کچھ دیکھ لیا ہے تو میں نے کہا ہاں ! تو میں نے جو کچھ دیکھا تھا اس کو ان سے بیان کیا ۔ انھوں نے کہا کہ اے میرے چچا کے بیٹے ! تمہیں خوشخبری ہو ۔ تم مطمئین رہو ۔ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں خدیجہ کی جان ہے ۔ مجھ کو امید ہے کہ تم اس امت کے نبی ہوجاؤ ۔ پھر کھڑی ہو گئیں اور اپنے لباس درست کئے ۔ پھر وہ گئیں ۔ ورقہ بن نوفل بن اسد کے پاس ۔ اور وہ ان کا چچیرا بھائی تھا ، اور وہ عیسائی ہو گیا تھا اور پڑھی تھی کتاب اور سنا تھا تورات و انجیل والوں سے تو خدیجہ نے ان باتوں سے ورقہ کو باخبر کیا جو باتیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہی تھیں کہ انھوں نے یہ دیکھا اور سنا تو ورقہ نے کہا کہ قدوسٌ قدوسٌ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں ورقہ کی جان ہے اگر تو نے اے خدیجہ مجھ سے سچ کہا ہے تو اس کے پاس ناموس اکبر آیا ۔ ناموس سے ان کی مراد جبرئیل علیہ السلام تھے جو موسیٰ کے پاس آتے تھے اور بلا شبہ اس امت کے نبی ہیں ۔ ان سے جا کر کہہ دو مطمئن رہیں ۔ تو خدیجہ آئیں اور رسول اللہؐ سے روقہ کی باتیں دہرائیں ۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تردد تھا اس کا کچھ حصہ دور ہو گیا تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا اعتکاف پورا کر چکے ۔ اور مقام اعتکاف سے واپس آئے اور حسب معمول پہلے طواف کعبہ کیا تو وہاں ورقہ بن نوفل سے بھی ملاقات ہو گئی کہ وہ بھی طواف کر رہے تھے تو ورقہ نے کہا کہ اے بھتیجے جو کچھ تم نے دیکھا اور سنا ہے مجھ سے بیان کرو ۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا تو ورقہ نے کہا کہ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں

میری جان ہے تم بے شک اس امت کے نبی ہو ۔ اور تمہارے پاس وہی ناموس اکبر آیا جو موسیٰ کے پاس آتا تھا ۔ (اس کے بعد کہا) **ولتکذبنه ولتوذینه ولتخرجنه لتقاتلنة** (پھر کہا) اور اگر میں نے اس (وقت) کو پا لیا تو اللہ کی ایسی مدد کروں گا ، جس کو وہ جانتا ہے ۔ پھر آپ کے سر کو جھکا کر انھوں نے آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی منزل میں چلے آئے ۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ گھبراہٹ وغیرہ دور ہو گئی ۔

اس حدیث کے بعد بھی ایک مہمل سی بلکہ مکروہ حدیث ابن جریر نے نقل کی ہے ۔ مگر مجھ کو تو سب سے معتبر کتاب جو کہی جاتی ہے صحیح بخاری دراصل اسی کی روایت کو اس وقت اپنا مرکز بحث بنانا ہے اسلئے دوسری کتابوں میں اس مفہوم کی جو جو حدیثیں ہیں ان کو نظر انداز کر کے یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ منافقین عجم نے تابعین و اتباع تابعین کے لبادے اوڑھ اوڑھ کر کس کس طرح قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر پوشیدہ حملے کئے ہیں ۔

مذکورہ بالا روایات کو سامنے رکھیۓ تو بادیٔ تامل متعدد سوالات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں ۔ (اس سے قطع نظر کہ کیا واقعی نبوت سے پہلے رسول اللہؐ نے غار حرا میں تحنث کرنا شروع کر دیا تھا ۔)

۱۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر اور نزول وحی سے اس قدر متوحش اور خوفزدہ ہو جانا ۔ اور منصب نبوت و رسالت کو آپ کا کچھ نہ سمجھنا ، بلکہ خلعت نبوت و تشریف رسالت سے سرفراز ہونے کے بعد اپنی جان کو خطرے میں سمجھنا ، بلکہ اپنے کو شاعر یا مجنوں سمجھنا ، اور دوسروں کی طعنہ زنی کی وجہ سے اپنے کو ہلاک کر ڈالنے کا ارادہ کرنا ، ایک ایسی عجیب و غریب بات ہے ، جس کو بادۂ روایت پرستی کی سرشاری ہی میں لوگ قبول کر سکتے ہیں ۔ ورنہ کسی انسان کی عقل سلیم ان باتوں کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتی کہ چالیس سال ایک افصح العرب والعجم جو منصب نبوت و رسالت کے لئے منجانب اللہ منتخب ہو رہا ہو ۔ وہ اتنا بھولا بھالا ہو کہ جن باتوں کو سن کر ایک عورت ذات سمجھ لیتی ہے ۔ ان باتوں کو سمجھانے کے بعد بھی وہ نہیں سمجھتا ۔ اور اتنے بڑے جلیل القدر منصب کو وہ اپنے لئے ایک مصیبت سمجھ لیتا ہے ۔ یہاں تک کہ اپنے کو شاعر یا مجنوں سمجھ کر خیال کرتا ہے کہ اگر دوسرے لوگ میرے ان حالات کو سن لیں گے تو مجھ کو شاعر یا مجنوں کہنے لگیں

گے تو قبل اس کے کہ لوگوں کو میرے حالات کا علم ہو ۔ اور لوگ مجھکو شاعر یا مجنوں کہیں بہتر ہے کہ میں اپنے کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا کر ہلاک کر دوں ۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جب خود نبی مرسل کو منصب نبوت و رسالت پانے کے بعد اپنے پر شاعر یا مجنوں ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے ۔ تو اگر اس کی باتیں سن کر دوسروں نے اس کو شاعر اور مجنوں کہا، تو وہ کس طرح قابل الزام ہو سکتے ہیں ۔

(۲) بخاری کی روایت اور ابن جریر کی پہلی اور دوسری روایت میں تو یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئی تھیں ۔ اور آپ نے ورقہ کے پوچھنے پر سارا ماجرا اپنی زبان سے فرما کر ورقہ کو مطلع کیا تھا ۔ اور ورقہ نے جو کہا وہ آپ ہی کو مخاطب کر کے کہا ۔ مگر ابن جریر کی دوسری روایتوں میں یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ تنہا ورقہ کے پاس گئیں ۔ اور خود آپ کا حال اپنی زبان سے ورقہ کے سامنے بیان کیا ۔ پھر جو کچھ ورقہ نے کہا ۔ اس کو گھر آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی و تشفی کی ۔

یہ تو حدیثوں کا باہمی اختلاف باعتبار مضمون واقعہ کے ہے ۔ مگر ایک پہلو اس میں اس کا بھی نمایاں ہے کہ حضرت خدیجہ کے چچیرے بھائی عیسائی تھے ۔ تورات و انجیل کے ماہر تھے ۔ سریانی زبان سے عبرانی زبان میں انجیل کا ترجمہ انہوں نے کیا تھا اور انبیاء بنی اسرائیل کے حالات سے پوری طرح باخبر تھے اور تھے قریشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم جد اس لئے ایک کہنے والا کہہ سکتا اور سمجھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ قرآن میں انبیاء بنی اسرائیل اور ان کی امتوں کے جو حالات مذکور ہیں ۔ وہ ورقہ ہی سے سن سن کر حاصل کئے گئے ہوں ۔ اور ان کو اپنی زبان میں ادا کیا گیا ہو ۔ (نعوذ باللہ من تلک الشبہات)

حالانکہ سورۃ ہود کے دوسرے رکوع کے آخر میں حضرت نوح اور ان کی امت کی سرگذشت بیان فرما کر ارشاد فرمایا گیا ہے ۔ **تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک ما کنت تعلمھا انت ولا قومک من قبل ھذا** یہ محض غیب کی خبریں ہیں جن کو نہ تم جانتے تھے نہ تمہاری قوم اس سے پہلے جانتی تھی ۔ اگر واقعی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ جو حضرت خدیجہ کے چچیرے بھائی تھے، تورات و انجیل کے ماہر تھے ۔ انجیل کا ترجمہ عبرانی زبان میں کرتے تھے ۔ تو کن لوگوں کے لئے کیا کرتے تھے؟

کیا عرب خصوصاً کے والے عبرانی جانتے تھے جن کے لئے وہ عبرانی میں ترجمہ کر رہے تھے لوگ اس روایت سے کھٹک محسوس نہ کریں - اس لئے عربی میں ترجمہ کرنے کا ذکر نہ کیا عبرانی لکھدیا - مگر جس کی مادری زبان عربی ہو - وہ اگر بضرورت عبرانی میں کسی کتاب کا ترجمہ کرے گا بھی تو کیا اپنی مادری زبان عربی میں دوسروں سے زبانی بیان بھی نہیں کرے گا ؟

اس لئے کہ اگر ورقہ ابن نوفل تورات و انجیل کے ماہر تھے تو یقیناً حضرت نوح اور ان کی امت کی پوری داستان سے بھی باخبر تھے - اور ان کی وجہ سے مکے والوں میں سے متعدد لوگ ان سے ملتے رہنے والے بھی ، ان کی صحبتوں میں بیٹھنے والے بھی ، ان ترجموں سے فائدہ اٹھانے والے بھی واقف ہوں گے قرآن مجید تو صاف طور سے کہہ رہا ہے کہ نہ تم اس وحی سے پہلے حضرت نوح اور ان کی امت کے واقعات سے واقف تھے ، نہ تمہاری قوم واقف تھی - مگر یہ روایتیں ارشاد فرما رہی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان ہی کا ایک شخص یہ واقعہ اور اس قسم کے متعدد واقعے اگلی امتوں کے جو اگلی کتابوں میں مذکور ہیں ان سے اچھی طرح باخبر موجود تھا - اور اس کی وجہ سے متعدد لوگ ان واقعات سے اس وحی قرآنی کے نزول کے قبل سے کم و بیش مطلع تھے - کیا ایسی خطرناک روایتیں منافقین عجم کی من گھڑت قرآن و رسول دونوں کی تکذیب و توہین کے لئے مخالفین کی آلہ کار نہیں بن سکتی ہیں ؟ اور کیا نہیں بنی ہیں ؟ یورپ کے مورخین نے کیا اسی قسم کی روایتوں سے گمراہ کن اور غلط نتائج نہیں نکالے ہیں ؟

حقیقت یہ ہے کہ ان روایتوں میں ورقہ بن نوفل کا واقعہ اور رسول اللہؐ کا "زملونی زملونی" کہتے ہوئے غار حرا سے حضرت خدیجہؓ کے پاس آنے کا واقعہ اور حضرت خدیجہؓ کا آپ کی تسلی و تسکین کرنے کی داستان اور آپ کا اپنے کو پہاڑ کی چوٹی پر سے گرانے کا ارادہ یا اپنے کو شاعر یا مجنوں سمجھنے کا بہتان یہ ساری باتیں محض منافقین عجم کی ساختہ و پرداختہ ہیں - جس کی غرض عام لوگوں کو منصب نبوت و رسالت کے متعلق شبہات و شکوک میں مبتلا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں - اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو روایت پرستی کے فتنے سے بچائے اور حق و باطل کے پرکھنے کی توفیق دے - **واللہ یحق الحق بکلمتہ ولو کرہ المجرمون** - (ص ۱۲۵ سے متعلق حواشی)

(۱) حدیث کی عبارت یوں ہے حتی بلغ منی الجھد جس کا لفظی ترجمہ یوں ہوگا ، یہاں تک کہ اس کا

بھیجنا میرے تحمل و برداشت کی آخری حد تک پہنچ گیا ۔ میں نے متن میں مفہوم ادا کر دیا ہے ۔ (تمنا)

(۲) عینی شرح بخاری میں مذکور ہے کہ انجیل سریانی میں ہے ۔ اور ورقہ اس کو سریانی سے عبرانی میں ترجمہ کر رہے تھے ۔ مگر اس زمانہ میں سریانی زبان کے جاننے والے پردہ دنیا پر کہیں تھے بھی یا نہیں یہی محل تامل ہے ، اس وقت تو بڑے احبار و رہبان بھی سریانی زبان سے بالکل نا بلد تھے ۔ جیسا کہ اکثر محققین نے لکھا ہے ۔

(۱) حدیث بخاری کی اصل عبارت یوں ہے ۔ ثم لم ینشب ورقہ ان تو فی وفتر الوحی ۔ لم ینشب بمعنی لم یلبث یعنی اس واقعہ کے بعد ورقہ زندہ نہ رہے یا کسی اور کام میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ وفات پائی اور وحی کا سلسلہ موقوف ہو گیا ۔

(۲) یعنی وہ چھ آئمہ حدیث (صحاح ستہ والے نہیں بلکہ ان سے پہلے کے) جن کے اوپر صحاح کی تقریباً تمام حدیثیں منتہی ہوتی ہیں بلکہ صحاح سے باہر کی حدیثیں بھی زیادہ تر انہیں میں سے کسی نہ کسی تک منتہی ہوتی ہیں ۔

(۱) معلوم نہیں ان چاروں فعلوں میں غائب کی ضمیر مفعول کدھر پھرے گی جب مقتضائے مقام ان کو یوں ہونا چاہیے ویکذبنک ولیوذنک و یخرجنک و لیقاتلنک یعنی لوگ ضرور تمہیں جھٹلائیں گے اور تمہیں ضرور ایذا دیں گے اور تمہیں ضرور نکال دیں گے اور تم سے ضرور قتال کریں گے ۔

(ص ۱۴۹ سے متعلق حواشی)

سلمہ اور محمد بن اسحاق : ۔ (۱) بغیر کسی کتاب پیش کئے اقراء اور ماانابقاری کا مکالمہ صحیح نہیں ہو سکتا ۔ اس کو ابن جریر نے محسوس کیا ۔ اس حدیث کو ابن جریر سلعہ سے اور وہ محمد بن اسحاق صاحب المغازی سے اور وہ وہب بن کیسان سے اور وہ عبداللہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر نے عبید بن عمیر بن قتادہ اللیثی سے کہا کہ اے عبید ! مجھ سے بیان کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی ابتداء کس طرح ہوئی ؟ تو انھوں نے بیان کیا الخ اس سلسلہ اسناد میں سب سے پہلی بات یہ جان لینا ضروری ہے کہ سلعہ نام کا کوئی راوی حدیث روایت کی دنیا میں نہیں گذرا ۔ یہ طباعت کی غلطی ہے کہ سلمہ کو سلعہ بنا دیا گیا ۔ سلمہ بن الفضل محمد اسحاق صاحب مغازی کے شاگرد رشید تھے اور ان کی کتاب المغازی کے یہی اصل راوی ہیں ۔ انھیں سے یہ کتاب پھیلی مگر یہ شیعہ تھے ۔ منکر الحدیث تھے لایحتج بہ تھے اور ابوزرعہ نے ان کے متعلق کذب کا اشارہ کیا تھا (تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۱۵۳) جبھی تو یہ ابوجعفر بن جریر الطبری کے استاد تھے ۔ اگرچہ ابن حجر نے ان کے تلامذہ میں ابن جریر کا ذکر نہیں کیا ہے ۔ مگر ابن جریر تو دوسرے کے اساتذہ سے بھی بغیر ان سے کچھ سنے ہوئے روایت کر دیتے تھے ۔ اگر ان سے بھی روایت کر دی تو کیا ہرج ہے ان سلمہ بن الفضل کی وفات ابن حجر سن ۱۹۱ھ میں

لکھتے ہیں ۔ محمد بن اسحٰق صاحب المغازی چونکہ سب سے پہلے جامع مغازی تھے ۔ اس لئے مورخین نے ان کی اتنی اہمیت بڑھا دی کہ آخر محدثین کو بھی ان کو ثقہ ماننا پڑا ۔ مگر امام مالک ان کو دجالوں سے میں سے ایک دجال کہتے تھے ۔ ابن حجر اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان پر قدریہ ہونے کا الزام تھا ۔ اور اس کے علاوہ بھی بعض بدعات سے متہم تھے ان پر یہ بھی الزام ہے کہ یہ مجہول و غیر معروف لوگوں سے حدیثیں روایت کرتے تھے ۔ ان کی ایک ہزار حدیثیں ایسی ہیں جن کو ان کے سوا کوئی بھی روایت نہیں کرتا ۔ امام احمد بن حنبل نے ان پر یہ بھی الزام دیا ہے کہ دوسروں کی حدیثیں دیکھ کر ان کی حدیثیں اپنی کتاب میں نقل کر لیتے تھے اور امام احمد نے ان پر تدلیس کا بھی الزام دیا ہے اور پھر سدی و کلبی جیسے مشہور کذابوں سے بھی روایت کرنے سے باز نہیں آتے تھے ۔ امام احمد اور یحییٰ بن معین ، وغیرہما ان کو لیس بحجتہ لکھتے ہیں ۔ ہشام بن عروہ سلیمان التیمی یحییٰ بن سعید القطان اور وہب بن خارجہ نے ان کو جھوٹا کہا ہے یہودیوں کی اولاد سے جا جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کا حال پوچھ کر اپنی کتاب المغازی میں لکھتے تھے مگر محدثین کی ایک جماعت خصوصاً متاخرین ان کی پالائش میں اگلوں کی جرحوں کی تاویلیں بھی کرتی رہی ہے تو پھر متقدمین و متاخرین کے درمیان دار قطنی نے یہ فیصلہ کیا کہ بہر حال ان کی حدیثیں سند و حجت نہیں ہیں ۔ یہ سب تو تہذیب التہذیب میں ہے میزان الاعتدال میں ہے کہ دار قطنی نے کہا کہ سیرت نبوی میں انہوں نے بہت سی قابل انکار حدیثیں روایت کی ہیں اور جھوٹے اشعار نقل کئے ہیں ۔ ابن اسحاق کی صفائی میں ابن عینیہ کا قول پیش کیا جاتا ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں ابن اسحاق کے ساتھ ستر برس سے کچھ زیادہ بیٹھا ہوں کبھی بھی اہل مدینہ کو ان کے متعلق کچھ کہتے نہیں سنا ابن عینیہ کی ولادت سن ۱۰۷ میں کوفہ میں ہوئی سن ۱۶۳ میں وہ کوفہ سے مکہ مکرمہ چلے گئے اور مرتے دم تک وہیں رہے (تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۱۲۲) جس سے معلوم ہو گیا کہ ابن عینیہ کی عمر کوفہ چھوڑ کر مکہ آنے کے وقت ۵۶ برس کی تھی اور سن ۱۹۸ میں ۹۱ برس کی عمر میں ان کی وفات ہے تو یہ ۵۶ برس کوفہ میں رہے اور باقی ۳۵ برس مکے میں رہے اور ابن اسحٰق مدنی تھے مگر مدینے سے اپنی عمر کے ابتدائی ہی حصے میں باہر نکل گئے تھے ۔ اور اسکندریہ و مصر و بغداد ہوتے ہوئے کوفہ پہنچے تھے ۔ اور وہیں رہ گئے کیونکہ یہ جگہ ان کی طبیعت کے بالکل موافق تھی تو پھر ابن عینیہ کو کب موقع ملا کہ ستر برس سے کچھ زیادہ مدت تک ابن اسحٰق کے

ساتھ بیٹھیں ؟ یہ ابن عیینہ پر صریحاً تہمت ہے ۔ بہر حال اس کو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ ابن اسحٰق کی کتاب المغازی کے اصل راوی بھی ایک شیعہ ہی ہیں یعنی سلمہ بن الفضل اور وہ ابن جریر کے استاد تھے اور وہ منکر الحدیث لایحتج بہ اور متہم بکذب بھی تھے ۔ اس روایت میں کہا گیا ہے کہ عبداللہ بن الزبیر نے عنید بن عمیر بن قتادہ اللیثی سے آغاز بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پوچھا یہ عجیب و غریب بات ہے عبداللہ بن الزبیر ہجرت کے پہلے یا دوسرے سال میں پیدا ہوئے تھے اور وہ مہاجرین میں پہلی اولاد ہیں جو مدینے میں پیدا ہوئے وفات نبوی کے وقت نو دس برس یا کم سے کم آٹھ برس کے ضرور تھے ۔ اسی لئے صحابہ میں شمار کئے جاتے ہیں اور عبید بن عمیر بن قتادہ اللیثی کی ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئی تھی ۔ انھوں نے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا ۔ اس لئے استیعاب ج ۲ صفحہ ۴۰۸ میں ان کو کبار تابعین میں لکھا ہے یقیناً یہ حضرت عبداللہ بن الزبیر سے چھوٹے تھے اور مکہ میں قصہ خوانی کیا کرتے تھے ۔ عبداللہ بن الزبیر کو اگر فقط ایک قصہ سننا تھا تو کوئی اور قصہ ان سے کہنے کی فرمائش کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات تو ان سے زیادہ یہ خود جانتے تھے اور اگر پوچھنا ہی تھا تو ابو سعید خدری ، سلمہ بن الاکوع رافع بن خدیج اور عبداللہ بن عمیر وغیرہم اجلہ صحابہ ان کے وقت میں موجود تھے کیا ان لوگوں سے زیادہ سیرت نبویہ کے جاننے والے عبید تھے ؟ غرض ان تصریحات سے صاف ظاہر ہے کہ یہ روایت بھی بالکل من گھڑت ہے ۔ چاہے ابن جریر کی طبعزاد ہو چاہے ان کے استاد سلمہ بن الفضل کی چاہے ان کے استاد الاستاد محمد بن اسحٰق کی واللہ عالم (تمنا عمادی)

(۲) اس روایت سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ آمد جبرئیل و آغاز نزول وحی کا سارا واقعہ عالم خواب کا تھا ۔

(۳) مجنوں تو خیر مجنوں ہے شاعر سے اس قدر بغض کی کون سی وجہ ہو سکتی ہے ۔ شعراء تو زمانہ جاہلیت میں بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے ۔ شاعر و مجنوں دونوں کو ایک سی حیثیت کیوں دے دی گئی ؟ مجنوں سے نفرت تو عقل میں آتی ہے شاعر سے اسی قسم کی نفرت کیوں تھی ؟ عقل اس کی توجیہہ صحیح سے عاجز ہے قرآن نے یہ تو فرمایا ہے کہ شاعری ایک پیغمبر کے شایان شان نہیں لیکن ایک عام آدمی کی شان کے خلاف تو نہیں جب کہ جنوں تو ہر شخص کی شان کے خلاف ہے ۔

آغاز وحی کی روایت

از مولانا جعفر شاہ پھلواری

تمام سیرت نگاروں نے حتیٰ کہ مولانا شبلی نعمانی رحمۃ نے بھی ابتدائے وحی کے واقعات لکھنے میں صحیح بخاری ہی کی روایات کو اولیت کا مقام دیا ہے بلکہ اسی پر دارومدار رکھا ہے۔ اسناد روایت کے لحاظ سے ہونا بھی یہی چاہیئے۔ نیز اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ حدیث کے طالب علم کے سامنے سب سے پہلے یہی کتاب کھلتی ہے اور پہلے ہی دوسرے دن کے سبق میں آغاز وحی کی مندرجہ روایت پر نظر پڑتی ہے۔ لہٰذا اسی کا لوحِ دل پر منقوش ہو جانا ایک قدرتی بات ہے۔ پھر جب ذہن میں یہ زاویۂ نظر ابتدا ہی سے پیوست ہو کر یہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے تو حدیث کا طالب علم اس وقت تو اس اہم روایت کو اظہارِ شکوک سے بالا ہی تصور کرے گا۔ میں بھی اس دَور سے گزر چکا ہوں۔ لیکن اب تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ وغیرہ ہر ایک کے بعض مقامات دل میں کچھ کھٹک پیدا کرتے ہیں اور ذہن میں اس کا حل تلاش کرنے کی ایک بے چینی سی ہوتی ہے۔

ہماری گذارشیں سننے ... سے پہلے صحیح بخاری کی آغاز وحی والی روایت سنئے:

اوّل ما بدیٔ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحۃ فی النوم وکان لا یری رؤیا الا جاءت	پہلی چیز جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا آغاز ہوا وہ صالح خواب تھے۔ اس وقت حضورؐ جو خواب دیکھتے وہ سپیدۂ صبح کی طرح ظاہر ہو جاتا۔ اس کے

مثل فلق الصبح ثم حبب الیه الخلاء و
کان یخلو بغار حراء فیتحنث فیه و هو
التعبد اللیالی ذوات العدد قبل ان ینزع
الی اهله و یتزود لذلک ثم یرجع الی
خدیجة فیتزود لمثلها حتی جئه الحق و
هو فی غار حراء فجاءه الملک فقال اقرا
قال ما انا بقارئ قال فاخذنی فغطنی
حتی بلغ منی الجهد ثم ارسلنی فقال اقرا
فقلت ما انا بقارئ فاخذنی فغطنی الثانیة
حتی بلغ منی الجهد ثم ارسلنی فقال اقرأ
فقلت ما انا بقارئ فاخذنی فغطنی الثالثة
حتی بلغ منی الجهد ثم ارسلنی فقال اقرأ
باسم ربک الذی خلق خلق الانسان
من علق اقرأ و ربک الاکرم الذی علم
بالقلم حتی بلغ ما لم یعلم فرجع بها
رسول الله صلی الله علیه وسلم یرجف
فؤاده فدخل علی خدیجة فقال زملونی
زملونی فزملوه حتی ذهب عنه الروع
فقال لخدیجة واخبرها الخبر لقد خشیت علی
نفسی فقالت له کلا ابشر فوالله ما
یخزیک الله ابدا انک لتصل الرحم و
تصدق الحدیث وتحمل الکل وتکسب
المعدوم وتقری الضیف وتعین

بعد حضور کو خلوت گزینی کی طرف رغبت ہوئی اور
آپ غار حرا میں تنہا جاکر تحنث فرمانے لگے۔ تحنث
کا مطلب یہ ہے کہ متعدد روز و شب عبادت میں
گزارتے پھر اپنے گھر تشریف لاتے اور توشۂ راہ لے
جاتے پھر خدیجہؓ کے پاس واپس آتے اور اسی طرح توشہ
لے جاتے۔ آخر ایک دن دفعتہً پیغام حق غار حرا کے اندر
آ پہنچا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ فرشتہ
(جبریلؑ) آیا اور کہنے لگا۔ پڑھیے۔ حضورؐ نے جواب دیا:
میں پڑھا ہوا نہیں۔ اس کے بعد حضورؐ فرماتے ہیں کہ مجھے
اس زور سے بھینچا کہ مجھے بھی مدافعت کے لئے پورا زور
لگانا پڑا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا۔ پھر وہی سوال و جواب ہوا
اور اسی طرح بھینچا اور چھوڑ دیا۔ پھر وہی سوال و جواب
ہوا اور اسی طرح بھینچا اور چھوڑ دیا۔ تیسری بار پھر یہی
ہوا پھر "اقرا باسم ربک" سے "ما لم یعلم" تک کے الفاظ
کہے۔ حضور واپس آئے تو آپ کا دل دھڑک رہا تھا۔
حضورؐ حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ: مجھے
کپڑا اوڑھا دو، کپڑا اوڑھا دو۔ کپڑا اوڑھا دیا گیا اور
رفتہ رفتہ دہشت جاتی رہی۔ حضرت خدیجہؓ سے تمام
واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا، مجھے تو اپنی جان کا خوف
دامنگیر ہے۔ خدیجہؓ بولیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ آپ کو تو خوش
رہنا چاہیئے۔ بخدا اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے
گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، راست گفتار ہیں، دوسروں
کا بار اپنے سر پر لیتے ہیں، نادار ہو نے کام بھی کرتے ہیں

على نوائب الحق فانطلقت به خديجة حتى أتت به ورقة بن نوفل بن أسد بن عبد العزى بن قصي وهو ابن عم خديجة أخي أبيها وكان امرأ تنصر في الجاهلية وكان يكتب الكتاب العبراني فكتب من الانجيل بالعربية ما شاء الله ان يكتب وكان شيخا كبيرا قد عمي فقالت له خديجة يا ابن عم اسمع من ابن أخيك فقال له ورقة يا ابن أخي ماذا ترى؟ فأخبره صلى الله عليه وسلم خبر ما رأى فقال له ورقة هذا الناموس الذي نزل الله على موسى يا ليتني فيها جذعا ليتني أكون حيا إذ يخرجك قومك فقال صلى الله عليه وسلم او مخرجي هم؟ قال نعم لم يأت رجل قط بمثل ما جئت به الا عودي وان يدركني يومك انصرك نصرا مؤزرا ثم لم ينشب ورقة ان توفي وفتر الوحي۔

(شيخين)

مہمان نوازی فرماتے ہیں اور پیش آنے والے حوادث میں حق کی حمایت کرتے ہیں۔ اس کے بعد خدیجہؓ آپ کو ساتھ لے کر اپنے عم زاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصیٰ کے پاس گئیں۔ یہ ورقہ قبل از اسلام نصرانی ہو گئے تھے اور عبرانی تحریریں لکھا کرتے تھے چنانچہ انجیل کا کچھ حصہ بھی انہوں نے عربی زبان میں لکھا تھا اس وقت یہ خاصے بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان سے کہا اے ابن عم ذرا اپنے برادر زادے کی زبان سے کچھ حال سنئے۔ ورقہ نے کہا: برادر زادے کیا معاملہ ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب واقعات بیان فرمائے تو ورقہ نے کہا کہ: یہ وہی ناموس (پیغامِ وحی) ہے جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوا تھا۔ اے کاش میں اس وقت جوان ہوتا اور اے کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب تمہاری قوم تمہیں شہر بدر کر رہی ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: کیا یہ لوگ مجھے شہر سے نکال باہر کریں گے؟ ورقہ نے جواب دیا کہ: ہاں ہاں تمہاری جیسی چیز جو بھی لایا ہے اس کے ساتھ دشمنی ہی کی گئی ہے۔ اگر میرے سامنے یہ وقت آیا تو میں تمہاری زبردست مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ زیادہ دن زندہ نہ رہ سکے اور ان کی وفات ہو گئی۔ اور وحی کا سلسلہ (کچھ عرصے کے لئے) منقطع ہو گیا۔

اس پوری روایتِ وحی کو پڑھنے کے بعد یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ حضورؐ کو جبریل کے آنے، بار بار معانقہ کرنے اور کلامِ وحی القا کرنے کے باوجود اپنے مقامِ نبوت

اور منصب رسالت کا کوئی علم نہ ہو سکا ۔ اس منصب عالی کا علم یا یقین حضورؐ کو اس وقت ہوا جب انجیل کی ورق گردانی کرنے والے ورقہ نے حضورؐ کو بتایا ــــ بعض عیسائی بُحَیرا راہب کی داستان لکھ کر یہ دعوے کیا کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے تمام کارناموں کا سرچشمہ بُحَیرا راہب کی چند منٹ کی تعلیم تھی ۔ تقریباً وہی انداز وہ اس روایت کی بنیاد پر اختیار کر سکتے ہیں کہ نعوذ باللہ حضورؐ کو تو کوئی خبر بھی نہ تھی کہ میں کیا ہوں ۔ یہ تو ایک نصرانی (ورقہ) کا کمال یا احسان تھا کہ اس کی رہنمائی سے حضورؐ کو نبوت کی اطلاع ہو گئی اور آگے معاملہ چل پڑا ۔

ہم نے جہاں تک غور کیا ہے بات یوں ہے کہ یہ صحیح بخاری کی روایت تو درست ہے لیکن اس خاص مقام پر سلسلۂ اسناد کے کسی راوی نے اجمال سے کام لیا ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ۔ ہم آپ بھی جب کوئی واقعہ دیکھ کر یا سن کر دہراتے ہیں تو موقع محل کے مطابق کہیں اجمال سے کام لیتے اور کہیں تفصیل سے ۔ لیکن بعض اوقات اجمال یا تفصیل کی ذرا سی لغزش آگے چل کر بڑے عجیب نتائج پیدا کرتی ہے جو اس وقت ذہن میں نہیں آتے ۔

اس روایت کی یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ حضورؐ اس پہلی وحی کے بارِ عظیم کو محسوس کر کے کانپ گئے ہوں اور لرزاں و ترساں گھر واپس آئے ہوں (یرجف فوادہ) یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اس ذمے داری کے بوجھ کو بجا طور پر حضورؐ جان کی بازی لگانا تصور فرماتے ہوں (لقد خشیت علی نفسی) لیکن یہ ہمارے تصور میں بھی نہیں آتا کہ اپنی صحیح پوزیشن کو حضورؐ نہ سمجھیں اور سمجھیں تو ایک نصرانی کے بتانے سے سمجھیں ۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ ایک صدرِ مملکت کی طرف سے کسی کو گورنری کا پروانہ بھیجا جائے اور ساتھ ہی کچھ مملکت کی پالیسی بھی تحریر کر دی جائے مگر وہ خود نہ سمجھ سکے کہ مجھے گورنر بنایا گیا ہے اور اگر سمجھے تو کسی کلرک کے سمجھانے سے سمجھے ۔ ہمارے خیال میں تو یہ بھی بعید از فہم نہیں کہ حضورؐ کو ورقہ کے یہ کہنے پر تعجب ہوا ہو کہ "آپ کی قوم آپ کو وطن بدر کر دے گی" حضورؐ کو اپنی ہر دلعزیزی کے یقینی احساس کے بعد اپنی ہی قوم

کے ہاتھوں وطن بدر ہونے پر تعجب ہو سکتا تھا اور ورقہ جو بائبل کے مطالعہ سے تمام انبیاء کی تاریخ اور انجام سے واقف تھے اس نتیجے پر پہنچ سکتے تھے۔ یہ سب باتیں دیکھ شکوک کے بعد ہی سہی، سمجھ میں آسکتی ہیں لیکن جسے منصب رسالت و نبوت سونپا گیا ہے اس کا خود اپنی حیثیت و مقام سے ایک منٹ کے لئے بھی بے خبر رہنا اور دوسروں کے سمجھانے کے بعد اس سے باخبر ہونا بہت ہی بعید از فہم معلوم ہوتا ہے۔

محمد بن اسحاق، عبید[1] بن عمرو کی زبانی جو روایت بیان کرتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

پہلی وحی (اقراء الخ) کے بعد جب حضورؐ گھر کی طرف چلے تو راستے میں آسمانی آواز سنی کہ: یا محمد انت رسول اللہ وانا جبریل۔ یعنی آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں ہوں جبریل۔ ہر طرف دیکھ کر حضورؐ نے جب اوپر دیکھا تو جبریل نظر آئے اور انہوں نے پھر اپنے یہی الفاظ دہرائے کہ: یا محمد انت رسول اللہ وانا جبریل۔ حضورؐ نے گھر آکر یہ پورا واقعہ جناب خدیجہؓ سے بیان فرمایا جناب خدیجہؓ نے کہا: انی لارجو ان تکون نبی هذه الامة۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے۔ اس کے بعد جناب خدیجہؓ نے ورقہ کے پاس جا کر یہ سارا واقعہ کہہ سنایا۔ اس کے بعد حضورؐ حسب معمول طواف کے لئے تشریف لے گئے اور وہیں ورقہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے حضورؐ سے تمام واقعات بیان کرنے کی خواہش کی۔ حضورؐ نے جب پورا واقعہ بیان فرمایا تو ورقہ نے بھی نبوت کی تصدیق کی۔

حافظ ابن عساکر ورقہ کے حالات میں سلیمان بن طرخان تیمی کی روایت بیان کرتے ہوئے آغاز وحی کے حالات یوں لکھتے ہیں:

... اذ نزل جبریل فدنا منه فخافه	(غار حرا میں) جبریل نازل ہوئے اور حضورؐ سے
رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم	قریب ہو گئے تو حضورؐ کو سخت خوف لاحق ہوا
مخافة شدیدة فوضع جبریل	اس وقت جبریل نے ایک ہاتھ حضورؐ کے سینے

[1] یہاں یہ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ عبید نے یہ بیان ایک جماعت کے سامنے دیا جس میں عبداللہ بن زبیر بھی موجود تھے۔

يده على صدره ومن خلفه بين كتفيه فقال: اللهم احطط وزره واشرح صدره وطهر قلبه يا محمد! ابشر فانك نبي هذه الامة

پر اور دوسرا پشت پر رکھا اور دعا کی کہ: اے اللہ ان کے بوجھ کو اتار دے اور ان کے سینے کو کھول دے اور ان کے دل کو پاک و صاف کر دے، پھر کہا: اے محمدؐ آپ کو مژدہ ہو کہ آپ اس امت کے نبی ہیں۔

پھر سورۂ علق کی آیات پڑھانے کا واقعہ پیش آیا۔ اس کے بعد پھر جبریل نے کہا:

لا تخف یا محمد! انك رسول الله...

حضورؐ گھبرائیں نہیں، آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اس کے بعد پھر کچھ اور گفتگو ہوئی اور جبریل نے تیسری بار کہا:

لا تخف يا محمد! جبريل رسول الله جبريل رسول الله الى انبيائه ورسله فايقن بكرامة الله فانك رسول الله

حضورؐ گھبرائیں نہیں، میں ہوں جبریل، فرستادۂ خدا، میں ہوں جبریل جو اللہ کے نبیوں اور رسولوں کے پاس بھیجا جاتا ہوں، اللہ کی اس نوازش پر یقین رکھیے کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں۔

اس کے بعد جب حضورؐ جناب خدیجہؓ کے پاس واپس تشریف لائے تو یوں فرمایا:

یا خدیجة! ارأیت الذی كنت اری فی المنام والصوت الذی كنت اسمع فی الیقظة و اهال منه فانه جبریل قد استعلن واقرأنی كلاما فزعت منه ثم عاد الی فاخبرنی انی نبی هذه الامة

خدیجہ! تم سمجھیں کہ میں جو رویائے صادقہ دیکھا کرتا اور جو غیبی آوازیں بیداری کی حالت میں سن کر خوف کھایا کرتا تھا اس کی حقیقت کیا ہے؟ وہ دراصل جبریل ہے جو بے حجاب ہو کر میرے سامنے آ گیا، مجھ سے باتیں کیں اور مجھے ایسا کلام پڑھا دیا جس سے میں دہشت زدہ ہو گیا، پھر میری طرف دوبارہ متوجہ ہو کر مجھے بتایا کہ میں اس امت کا نبی ہوں۔

اس کے بعد جناب خدیجہؓ اسی وقت ایمان لے آئیں، اس کے بعد ورقہ کے پاس گئیں اور انہوں نے بھی تصدیقِ نبوت کی۔

ہم نے یہ تمام اقتباسات حافظ ابن کثیر کی "البدایہ والنہایہ" جلد ۳ صفحہ ۱۲ تا صفحہ ۱۶ سے لئے ہیں۔ ہم نے صرف ضروری حصے لیے ہیں۔ ان اوراق میں کہیں کہیں "رنگِ داستان" بھی موجود ہے لیکن بعض وہ نئی باتیں بھی ہیں جو صحیح بخاری والی روایت میں نہیں اور ہمارے نزدیک انہیں قبول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غارِ حرا کا یہ واقعہ بحالتِ خواب پیش آیا۔ عبداللہ بن زبیر کی روایت میں حضورؐ کی زبان سے یہ الفاظ منقول ہیں:

فجاءنی وانا نائم بنمط	میں سویا ہوا تھا کہ جبریل میرے پاس حریری رومال میں
من دیباج فیہ کتاب	لپٹی ہوئی ایک کتاب (یا ایک تحریر) لائے اور مجھ سے کہا
فقال اقرا ...... الخ	کہ پڑھیے ..... الخ

پھر آگے چل کر جبریل کے واپس جانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضورؐ نے یوں فرمایا:

فقراتھا ثم انتھی و	میں نے سورۂ اقرا کی پانچوں آیات پڑھیں۔ پھر وہ رک
انصرف عنی و ھببت من	گئے اور واپس ہو گئے۔ اور میں اپنے خواب سے چونک
نومی فکانما کتب فی قلبی	کر بیدار ہو گیا تو ایسا محسوس ہوا کہ اس نے یہ کتاب
کتابا۔	(یا تحریر) میرے سینے میں لکھ دی۔

لفظ نوم (نیند) دراصل ایک ایسی کیفیت سے تعبیر ہے جو حسی اور فزیکل قسم کی بیداری سے ورا ہے۔ یہ ایک VISION ہے جس کے لئے فزیکل نیند ہی ضروری نہیں۔ یہ کیفیت بیداری میں بھی ہو سکتی ہے۔ اس عالمِ وحی کی کیفیات ہمارے ادراک و قیاس سے بالاتر ہیں۔ اسے ایک پیغمبر ہی جان سکتا ہے۔ البتہ اس کے اظہار کے لئے نیند وغیرہ کے لفظ استعمال کرنے پڑتے ہیں۔

ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جناب خدیجہؓ ہی سب سے پہلے ایمان لائی تھیں اور ورقہ بن نوفل نے بعد میں تصدیق نبوت کی ہے۔

ایک اور چیز بھی ان روایات میں ایسی ہے جو صحیح بخاری کی اس روایت میں موجود نہیں ـــــ یعنی شے مقروء (پڑھی جانے والی چیز) کا کوئی ذکر صحیح بخاری میں نہیں اور ہماری نقل کردہ روایات میں اس کا ذکر موجود ہے، یعنی من دیباج فیہ کتاب۔ (ریشمی رومال میں لپٹی ہوئی ایک کتاب یا تحریر)۔ قیاس چاہتا ہے کہ یہ صحیح ہو کیونکہ مقروء کے بغیر اقرا کی فرمائش کچھ بے محل سی معلوم ہوتی ہے۔

غرض آغاز وحی کے سلسلے میں اس طرح کی کئی نئی باتیں ان روایات سے معلوم ہوتی ہیں جو صحیح بخاری کی زیر بحث روایت میں موجود نہیں ہیں اور جہاں ہم ان روایات سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضورؐ کو اپنے مقام نبوت اور منصب رسالت کا علم اسی آن ہو چکا تھا نہ کہ ورقہ کے بتانے کے بعد وہاں اگر ہم ان روایات کی دوسری (مندرجہ بالا) نئی باتوں کو بھی تسلیم کر لیں تو کوئی مضائقہ نہیں، اگرچہ وہ باتیں صحیح بخاری کی زیر بحث روایت میں موجود نہیں۔

ہم دوسری روایات کو قبول کر کے اس غبار کو دور کر سکیں تو اسے قبول کرتے میں محض اس لئے کیوں تامل ہو کہ یہ صحیح بخاری کی روایات میں موجود نہیں؟ ہمیں پھر کہنے دیجئے کہ حضورؐ کو اپنی رسالت کا مکمل صحیح علم اسی آن حاصل ہو چکا تھا جب پہلی وحی نازل ہوئی تھی اور یہ درست نہیں ـــــ جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے گمان ہو سکتا ہے ـــــ کہ ورقہ بن نوفل کی تصدیق نبوت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی صحیح پوزیشن کا علم نہ تھا۔ کاش ہمارے سیرت نگار صرف روایت بخاری پر اعتماد نہ کرتے۔ اور اس حقیقت کی بھی پردہ کشائی کر دیتے تو اچھا ہوتا۔

جمع قرآن کے متعلق زہری کی روایات

از : مفتی عبد اللطیف رحمانی

(حضرت مفتی صاحب کی دو کتابیں اردو میں ہیں ایک امام اعظم ابو حنیفہ کے حالات میں تذکرۂ اعظم کے نام سے ۔ دوسری تاریخ القرآن ۔ اور دو کتابیں عربی میں ہیں ایک ترمذی کی شرح الشرح اللطیف کے نام سے، دوسری تراجم بخاری کی شرح لطف الباری کے نام سے ۔

علامہ انور شاہ کشمیری کے شاگرد اور داماد مولانا سید احمد رضا بجنوری اپنی کتاب "انوار الباری شرح اردو صحیح بخاری" قسط سوم صـ۲۰۲ پر لکھتے ہیں۔

" مخدوم و محترم حضرت مولانا مفتی محمد فضل اللہ صاحب [illegible] ادب المفرد للبخاری) نے نہایت عظیم الشان اعانت یہ فرمائی کہ حضرت المحدث العلام مولانا مفتی عبد اللطیف رحمانی صاحب مصنف تذکرۂ اعظم وغیرہ کی شرح ترمذی شریف قلمی استفادہ کے لئے عنایت فرمائی۔ حضرت مفتی صاحب نے ترمذی شریف پر نہایت جامع و مختصر تعلیقات، محدثانہ و محققانہ طرز سے تحریر فرمادی ہیں جو درس ترمذی شریف کے لئے نہایت مفید ہیں۔ دار العلوم دیوبند جیسے علمی اداروں کا فرض ہے کہ ایسی گراں قدر تصانیف کی اشاعت کریں "۔

مفتی صاحب اور زہری میں چاہتا ہوں کہ حضرت مفتی صاحب کی تاریخ القرآن کا وہ حصہ یہاں درج کردوں جس میں انھوں نے خلافت صدیقی و عثمانی میں جمع قرآن کے متعلق زہری کی اس روایت پر تنقید کی ہے جسے بخاری و مسلم نے اپنے ہاں درج کیا ہے ۔ اس مجمل بحث کو پڑھ کر بات سمجھنے میں سہولت بھی ہوگی، علامہ تمنا کی تفصیلی محنت کا اندازہ بھی ہوگا۔ اور علامہ تمنا کو منکر حدیث کہنے کی قلعی بھی کھل جائیگی کیونکہ اگر اس روایت پر تنقید کرنیکی وجہ سے وہ منکر حدیث کہلانے کے مستحق ہیں تو پھر تاریخ

القرآن کے مؤلف حضرت مفتی عبداللطیف رحمانی اُس کتاب کی اولین اشاعت کرنے والے مولانا محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلماء اس کی تعریف کرنے والے امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی اور مولانا ابوالکلام آزاد اور دوبارہ اشاعت کرنے والے حضرت ابوالحسن زید شاہ وغیرہ سب ہی منکر حدیث کہلائیں گے۔ اور اگر عظمت قرآن کو داغدار کرنے والی جعلی روایتوں کا انکار کرنے والوں کو ہی مت کر حدیث موضوع کہا جاتا ہے تو پھر یہ قابل شرم نہیں بلکہ قابل فخر بات ہے اور ہر عقلمند مسلمان کو منکر حدیث موضوع ہونا چاہئے۔

(اس تمہید کے بعد اب حضرت مفتی صاحب کی زُہری کی اس روایت پر بحث ملاحظہ ہو۔)

"اب میں اس حدیث زہری پر دو طرح سے غور کرتا ہوں۔ اول اس حدیث کی سند میں دوسرے اس کے مضمون اور معانی پر۔"

زہری کی حدیث کی سند

اس میں شک نہیں کہ محدثین نے بالاتفاق اس حدیث کو صحیح مانا ہے اور اسی وجہ سے بخاری ترمذی وغیرہ حدیث کی کتابوں میں یہ حدیث ہے۔ اس روایت کا راوی تنہا زہری ہے۔ زہری کے سوا کسی نے اسے روایت نہیں کیا البتہ زہری سے چند نے اسے روایت کیا ہے اس لئے یہ روایت محدثین کے یہاں خبر آحاد سے ہے یعنی وہ روایت جس کا راوی کسی مرتبہ میں محض ایک ہی ہو۔ زہری اگرچہ محدثین کے یہاں نہایت معتبر قابل وثوق اور راستباز اور امین ہے اور تمام کتب صحاح میں اس کی روایت ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ مُدرج تھا[1]۔ یعنی اپنے کلام کو حدیث میں

زہری کے متعلق امام لیث کا فیصلہ

[1] امام ابوالحارث لیث بن سعد کی وفات ۱۷۵ھ میں ہوئی ہے یہ مصر کے امام اور امام دارالہجرہ مالک بن انس کے ہم سبق اور رفیق و دوست تھے۔ انھوں نے امام مالک کو ایک مکتوب ارسال کیا ہے۔ یہ مکتوب کیا ہے ایک بیش قیمت علمی وثیقہ ہے علماء اعلام نے اپنی تالیفات میں اس کو محفوظ کیا ہے۔ علامہ ابن قیم نے کتاب اِعْلَامُ المُوَقِّعِیْنَ عَنْ رَبِّ العَالَمِیْنَ میں (حصہ سوم کے صفحہ ۷۲ سے ۷۷ اور علامہ محمد بک الخضری نے تاریخ التشریع الاسلامی میں (صفحہ ۱۸۹ سے ۱۹۲ تک) نقل کیا ہے۔ اس مکتوب میں امام لیث نے اپنے استاد امام زہری کے متعلق جو انکشاف کیا ہے انہی کے

اس طرح ملا کر بیان کر دیتا تھا کہ سننے والے کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ بھی حدیث ہے اور دونوں میں کوئی فرق نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ اصول حدیث کی کتابوں میں زہری کے متعلق اس کو لکھتے ہیں المعتصر من المختصر ص۱۳۵ میں ہے وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُوْنَ مِنْ كَلَامِ الزُّهْرِيِّ فَاِنَّهُ كَانَ يَخْلِطُ كَلَامَهُ بِالْحَدِيثِ وَلِذٰلِكَ قَالَ لَهُ مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ افصل كلام رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ كَلَامِكَ اور شاید یہ زہری کا اپنا کلام ہو نہ حدیث کیونکہ زہری کی یہ عادت تھی کہ وہ حدیث میں اپنا کلام بھی ملا دیتے تھے۔ اسی واسطے موسیٰ نے زہری سے کہا کہ حدیث سے اپنے کلام کو علیحدہ رکھو ملایا نہ کرو تو ایسی حالت میں یہ فیصلہ مشکل ہے کہ اصل واقعہ کس قدر ہے اور امام زہری نے اپنی طرف سے بھی کوئی تشریح کی ہے یا نہیں اس کے سوا بھی چونکہ یہ ایک شخص تنہا زہری کا بیان ہے اور ایک ایسے امر کے خلاف ہے جو تواتر سے ثابت ہے۔ اور تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے تو اس لئے یہ اُن کثیر شہادتوں کے مقابلہ میں نہیں مانا جا سکتا۔ جیسا مسلمانوں کا عام اصول ہے کہ خبر احاد امر یقینی کے مقابلہ میں ہرگز لائق وثوق نہیں ہے اور ممکن ہے کہ یہاں کسی راوی سے بیان میں غلطی ہوئی ہو۔ بہرحال تنہا زہری کی روایت سے ہم ان روایات کو نہیں

الفاظ سے نقل کرتا ہوں لکھا ہے۔

وَكَانَ يَكُوْنُ مِنِ ابْنِ شِهَابٍ اِخْتِلَافٌ كَثِيْرٌ اِذَا لَقِيْنَاهُ وَاِذَا كَاتَبَهُ بَعْضُنَا، فَرُبَّمَا كَتَبَ اِلَيْهِ فِي الشَّيْءِ الواحد على فضلِ رايِهِ وَعِلْمِهِ بِثَلَاثَةِ اَنْوَاعٍ يَنْقُضُ بَعْضُهَا بعضًا وَلا يشعر بالذى مَضَى من رَأْيِهِ فِي ذٰلِكَ، فهذا الذى يدعونى إلى تَرْكِ ما انكرت تَرْكِي اِيَّاهُ الخ

ابن شہاب زہری کا مسائل میں بہت اختلاف ہوا کرتا تھا۔ جب ہم ان سے زبانی پوچھتے یا ہم میں سے کوئی لکھ کر ان سے دریافت کرتا تو۔ باوجود فضیلت رائے اور علم کے ایک ہی شئے کے متعلق ان کو جواب تین قسم کا ہوا کرتا تھا اور ایک دوسرے کا رد۔ ان کو اس کا احساس نہیں ہوا کرتا تھا کہ پہلے کیا لکھ چکے ہیں اور ان کی کیا رائے تھی بس ایسے ہی منکر اقوال کی وجہ سے ان کو چھوڑا تھا جس کو تم نے پسند نہ کیا تھا۔

مکتوب از اول تا آخر شایان مطالعہ ہے۔ ابوالحسن زید عفی اللہ عنہ

چھوڑ سکتے جن سے ثابت ہے کہ بہت سے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن جمع کیا تھا۔

زہری کے بیان میں اختلاف

زہری کی اس روایت میں اضطراب یعنی اختلاف ہے۔میں یہاں زہری کی انھیں روایتوں کا اختلاف رکھتا ہوں جو بخاری میں زہری سے ہے۔اس حدیث کی زہری سے جس قدر روائتیں ہیں چونکہ ان میں صحیح اور معتبر بخاری کی سندیں ہیں اس لیئے ان سندوں کے اختلاف سے ناظرین خود فیصلہ کر سکیں گے کہ یہ حدیث کہاں تک وثوق کے قابل ہے۔بخاری کی کتاب الاحکام میں ابن شہاب زہری سے ابراہیم بن سعد نے روایت کی ہے۔

بخاری میں سورہ براۃ کی تفسیر میں اسی روایت کے زہری سے شعیب راوی ہے لیکن زہری کے ان دونوں شاگردوں کی روایت میں یہ اختلاف ہے۔

شعیب کی زہری سے روایت	ابراہیم کی زہری سے روایت
(۱) قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِالنَّاسِ معرکہ یمامہ میں بہت لوگ کام آئے۔	قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ معرکہ یمامہ میں بہت قاری قرآن شہید ہوئے۔
(۲) مِنَ الرِّقَاعِ وَالْأَكْتَافِ وَالْعُسُبِ وَصُدُورِ الرِّجَالِ	مِنَ الْعُسُبِ وَالرِّقَاعِ وَاللِّخَافِ وَصُدُورِ الرِّجَالِ۔

ابراہیم کی روایت میں بجائے اکتاف کے لخاف ہے۔

(۳) حَتَّى وَجَدْتُ مِنْ سُورَةِ التَّوْبَةِ آيَتَيْنِ	فَوَجَدْتُ آخِرَ سُورَةِ التَّوْبَةِ۔
(۴) مَعَ خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ	مَعَ خُزَيْمَةَ أَوْ أَبِي خُزَيْمَةَ
(۵) لَمْ أَجِدْهُمَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ	اس کی روایت میں یہ لفظ نہیں
(۶) فَأَلْحَقْتُهُمَا فِي سُورَتِهَا	اس کی روایت میں یہ نہیں۔

زہری کی روایت کا واقعات اور دوسری صحیح روایتوں کے خلاف ہونا

(۱) تاریخ اور صحیح

روایات بلکہ خود بخاری کی روایت سے ثابت ہے کہ زید نے آنحضرتؐ کے عہد میں قرآن جمع کیا تھا۔ معارف ابن قتیبہ میں ہے۔ زید نے تمام قرآن لکھا تھا اور اس قرآن کو اخیر میں آنحضرتؐ کو تمام و کمال سنایا تھا۔ اس قرآن کی ترتیب وہی تھی جو آج بھی قرآن کی ہے۔ ترمذی میں زید سے ہے کہ ہم نے آنحضرتؐ کے روبرو ہی قرآن کو جمع کیا تھا اور نیز تمام محدثین کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ زید قرآن کے حافظ تھے اور پورا قرآن آپ کو یاد تھا۔ خلیفۂ اول نے جب زید کو جمع قرآن کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ اسے تلاش کر کے لکھو تو اس وقت زید کا جواب یہ ہونا چاہئے تھا کہ قرآن جمع شدہ ہمارے پاس موجود ہے اور مجھے یاد ہے اس کی تلاش کی ضرورت نہیں۔ باوجود زید کے حافظ اور جامع قرآن ہونے کے جو متعدد روایات سے ثابت ہے اور تمام مورخین اس پر متفق ہیں۔ تمام کتب رجال اس کی شاہد ہیں جس کے خلاف میں ضعیف سی بھی روایت اور قول نہیں۔ پھر زید کا قرآن کو تلاش سے لکھنا جیسا اس روایت سے ثابت ہوتا ہے ایک ایسا امر ہے جس کے باور کرنے کے لئے کوئی ضعیف سی ایسی وجہ بھی نہیں کہی جا سکتی جس کو کوئی فہمیدہ انسان صحیح مان سکے۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبر نے بھی استیعاب میں زہری کی روایت کی اس مخالفت کو بیان کیا ہے۔ میں یہاں اس مخالفت کو انھیں کے الفاظ میں لکھتا ہوں۔

وَاَمَّا حَدِيْثُ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ اَحَدُ الَّذِيْنَ جَمَعُوا الْقُرْاٰنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَحِيْحٌ وَقَدْ عَارَضَهٗ قَوْمٌ بِحَدِيْثِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ اَبَا بَكْرٍؓ اَمَرَهٗ فِيْ حِيْنِ مَقْتَلِ الْقُرَّاءِ بِالْيَمَامَةِ بِجَمْعِ الْقُرْاٰنِ قَالَ فَجَمَعْتُ الْقُرْاٰنَ مِنَ الرِّقَاعِ وَالْعُسُبِ وَصُدُوْرِ الرِّجَالِ حَتّٰى وَجَدْتُ اٰخِرَ اٰيَةٍ مِّنْ تَوْبَةٍ مَعَ رَجُلٍ يُقَالُ لَهٗ خُزَيْمَةُ قَالُوْا فَلَوْ كَانَ زَيْدٌ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَمْلَاهُ مِنْ صَدْرِهٖ وَمَا احْتَاجَ اِلٰى مَا ذَكَرَهٗ (استیعاب جلد اول ص ۱۹۵)

مجھے صرف یہاں اس قدر کہنا ہے کہ زید کا حافظ ہونا اور تمام قرآن کا آنحضرتؐ کی حیات میں لکھنا صحیح روایتوں سے معلوم ہے۔ چنانچہ ابن عبدالبر کو بھی اس کا اقرار ہے تو زید اگر خلیفۂ اول کے عہد میں جمع قرآن کی خدمت پر مامور ہوتے تو اپنی یاد اور اپنے قرآن سے لکھتے نہ کہ دوسری اشیاء سے۔ اور نہ زید وہ عذر کرتے جو اس حدیث میں زید کی طرف نسبت کیا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ روایت یا تو بے اصل ہے، یا درمیان کے راویوں کے بیان کی غلطی ہے۔ ممکن ہے کہ زید کے پاس چونکہ ایسا لکھا ہوا قرآن تھا جس کو آخر میں انھوں نے آں حضرتؐ کو سنایا تھا۔ اس لئے خلیفۂ اول نے اس کی کوئی نقل اپنے لئے کرائی ہو اور زید نے اُسے حضرت ابوبکرؓ کے لئے نقل کیا ہو جیسا کنز العمال کی ایک حدیث سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے لیکن رواۃ نے اپنی غلطی سے اس واقعہ کو کچھ کا کچھ کر دیا۔ اور راوی حدیث چونکہ انسان تھے اور انسان بھی وہ جو نبی نہ تھے۔ اس لئے اُن سے وہم وخطا کا ہونا بعید نہیں۔ جیسا علامہ ابن حزم کتاب الفصل میں لکھتے ہیں۔

وَاَمَّا قَوْلُهُمْ اَنَّهُ قَدْ رُوِیَ بِمَا سَانِیْدِ صِحَاحٍ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمِنَ التَّابِعِیْنَ الَّذِیْ نُعَظِّمُوْ وَنَاْخُذُ دِیْنَنَا عَنْهُمْ اَنَّهُمْ قَرَأُوْا فِی الْقُرْاٰنِ قِرَاٰتٍ لَا نَسْتَحِلُّ نَحْنُ الْقِرَاءَةَ بِهَا فَهٰذَا حَقٌّ وَنَحْنُ وَاِنْ بَلَغْنَا الْغَایَةَ فِیْ تَعْظِیْمِ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَیْهِمْ وَتَقَرَّبْنَا اِلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ بِمَحَبَّتِهِمْ فَلَسْنَا نُبْعِدُ عَنْهُمُ الْوَهْمَ وَالْخَطَاءَ وَلَا نُقَلِّدُهُمْ فِیْ شَیْئٍ مِمَّا قَالُوْهُ۔ (ج ۲ ص ۷۶)

ترجمہ:۔ اور لوگوں کا یہ خیال کہ نہایت صحیح سندوں سے صحابہ اور تابعین سے ایسی قرأۃ قرآن میں مروی ہیں جن کا پڑھنا درست نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ خیال صحیح ہے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کی تمام مسلمان بے انتہا عزت و تعظیم کرتے ہیں اور ان کی محبت کو باعث نجات سمجھتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ ہم انھیں وہم،

نسیان، خطا سے معصوم نہیں جانتے۔ اُن سے اس قسم کے امور ممکن ہیں۔

(۲) بخاری اور نیز دیگر روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ کی حیات مبارک میں بہت سے صحابہ نے قرآن جمع کیا تھا۔ چنانچہ ان میں چار کے نام تو بخاری ہی نے انس کی روایت سے نقل کئے ہیں۔ اور ایک طویل فہرست پہلے میں بھی ان کے ناموں کی دے چکا ہوں۔ علامہ ابن سعد نے بھی طبقات قسم ثانی ج ۲ ص۱۱۲ میں بعض ایسے صحابہ کے نام شمار کئے جنھوں نے آنحضرتؐ کی زندگی میں پورا قرآن جمع کیا تھا چنانچہ میں یہاں ان کی عبارت لکھتا ہوں۔

عَنْ عَامِرِ الشَّعْبِیِّ قَالَ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةٌ رَهْطٍ مِنَ الْاَنْصَارِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَاُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ وَزَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَاَبُو الدَّرْدَاءِ وَاَبُوْزَیْدٍ وَسَعْدُ بْنُ عُبَیْدٍ قَالَ قَدْ کَانَ بَقِیَ عَلَی الْمُجَمِّعِ بْنِ جَارِیَةَ سُوْرَةٌ اَوْ سُوْرَتَانِ حِیْنَ قُبِضَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ:۔ حافظ ابن سعد طبقات میں علامہ شعبی اور محمد بن سیرین اور محمد بن کعب کی روایت سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے عہد مبارک میں انصار میں سے چھ افراد معاذ بن جبل، ابیؓ بن کعب، زیدؓ بن ثابت، ابوالدرداءؓ، ابوزیدؓ سعدؓ بن عبید نے پورا قرآن جمع کیا تھا۔ البتہ مجمع بن جاریہ کو دو سورت یا ایک سورۃ جمع کرنے کو باقی تھی جو آنحضرتؐ کا انتقال ہو گیا۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِیْرِیْنَ قَالَ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ وَزَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ وَتَمِیْمُ الدَّارِیُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ کَعْبٍ الْقُرَظِیِّ قَالَ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ فِیْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَمْسَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ اَبُوْ اَیُّوْبَ اَبُو الدَّرْدَاءِ۔

اب جبکہ یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت کے عہد ہی میں قرآن جمع ہو گیا تھا اور بہت سے صحابہؓ نے اسے جمع کیا تھا۔ تو پھر حضرت عمرؓ کا حضرت ابوبکرؓ سے یہ کہنا اِنّی اَرٰی

اَنْ تَامُرَ بِجَمْعِ الْقُرْاٰنِ یعنی میری رائے ہے کہ آپ قرآن کے جمع کرنے کو فرمایئے اور اس کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ کا یوں فرمانا کَیْفَ تَفْعَلُ شَیْئًا لَمْ یَفْعَلْہُ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جو کام آنحضرتؐ نے نہیں کیا وہ تو کیونکر کرے گا، کیونکر صحیح ہوگا۔ اور یہ بات غلط ہے یا نہیں۔

(۳) سالم مولی ابوحذیفہ کے سوا مشہور قراء سے کوئی قاری اس جنگ میں شہید نہیں ہوا۔ اور عام ان مسلمانوں کی تعداد جو اس جنگ میں شہید ہوئے چودہ سو (۱۴۰۰) تک بیان کی جاتی ہے جن میں چھ سو مہاجرین اور انصار ہیں۔ یہ تعداد اس وقت کے مسلمانوں کے لحاظ سے کچھ بھی زیادہ نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حجۃ الوداع میں جبکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان تھے تو اگر یہی مان لیا جائے کہ اس وقت تمام مسلمان اسی قدر رہتے ۔ گویا کہ یہ امر کسی طرح صحیح نہیں ہے ۔ مگر اس پر بھی چودہ سو مسلمان اس تعداد کے مقابلہ میں کسی شمار میں نہیں آسکتے اور اس واقعہ میں جو ستر قرار کی شہادت بیان کی جاتی ہے ان کے متعلق محدثین اور مورخین کا یہ بھی بیان ہے کہ ان میں سے ہر ایک پورے قرآن کا حافظ نہ تھا بلکہ قرآن کے کچھ اجزاء ان کو یاد تھے۔

قاری قرآن کے اگر یہی معنی ہوں تو پھر مہاجر اور انصار سے جو اس میں شہید ہوئے وہ سب قاری تھے۔ کیونکہ مسلمانوں میں خصوصاً اس عہد میں کوئی بدقسمت مسلمان بھی ایسا نہ ہوگا جسے قرآن کچھ بھی یاد نہ ہو تو اب زید بن ثابت کا اس روایت میں یہ کہنا کہ اِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ یَوْمَ الْیَمَامَۃِ بِقُرَّاءِ الْقُرْاٰنِ ہر اعتبار سے غلط ہوگا کیونکہ قاری قرآن کے اگر یہ معنی ہوں کہ جسے پورا قرآن یاد تھا تو وہ بھی اس لڑائی میں سالم مولی ابی حذیفہ کے سوا کوئی شہید نہیں ہوا۔ اور اگر قاری قرآن کے یہ معنی ہوں جسے قرآن کا کچھ حصہ یاد ہو خواہ وہ ایک دو سورت ہی ہوں تو اس معنی کی رو سے تمام مسلمان قاری قرآن تھے ۔ اور جزیرہ عرب میں جس قدر مسلمان تھے وہ تمام ہی قاری تھے۔ پھر ان کی تعداد کے اعتبار سے بھی چودہ سو مسلمان کچھ زیادہ نہ تھے ۔ اور اگر کہا جائے

کہ مشہور قراء سے تو سالم ہی شہید ہوئے لیکن کے سوا اور بھی پورے قرآن کے حافظ اس لڑائی میں ایسے شہید ہوئے جو مشہور نہ تھے۔ تو اس صورت میں اصل واقعہ روشنی میں آجائیگا یعنی صحابہ میں بہت سے صحابی قرآن کے حافظ تھے۔ مگر اس پر بھی اس تعداد کا زیادہ ہونا مشکل ہے۔ بہر حال یہ بیان واقعات کے بالکل خلاف ہے۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اُمی تھے اس لئے آپ کو اس کی ضرورت نہ تھی کہ قرآن لکھا کر اپنے پاس رکھتے۔ البتہ صحابہؓ کو پورا قرآن حرف بحرف لکھایا اور اس لکھانے کا نہایت اہتمام کیا اور اکثر صحابہؓ نے آپ کے عہد میں آپ سے پورا قرآن لکھ کر جمع کیا۔ تو اب خلیفہ دوم کا جمع کے لئے مشورہ دینا ایسا امر نہ تھا جس میں خلیفۂ اول اور زید کو تامل ہوا اور مباحثہ کی نوبت آئی۔ حضرت عمرؓ سے یہ فرمایا کَیْفَ تَفْعَلُ شَیْئًا لَمْ یَفْعَلْہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کیا آنحضرتؐ نے قرآن لکھنے کا حکم نہیں دیا۔ کیا آپ کے عہد میں لکھ کر قرآن نہیں اٹھایا جاتا تھا؟ کیا خلیفۂ اول اور زید اس سے ناواقف تھے؟ کیا اس کا صاف اور صحیح جواب صرف یہی نہ تھا کہ بلا شبہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن جمع کرایا۔ اور آپ کے امر سے صحابہ نے لکھا۔ اس کے علاوہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن جمع نہیں کرایا۔ تو کیا حفاظت کے لئے جمع کرانا ایسا امر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشا کے خلاف ہو۔ کیا خود آنحضرتؐ ایسے امور کو نہیں لکھاتے تھے جن کا استحفاظ اور اہتمام مقصود ہوتا تھا۔ ابوشاہ صحابی نے فتح مکہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سُن کر جب آپ کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ اسے لکھا دیجئے تو کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا اُکْتُبُوْا لِاَبِیْ شَاہٍ یعنی ابوشاہ کو لکھ دو۔ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ فَکَتَبُوْا لِیْ یَعْنِیْ خُطْبَۃَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یعنی ابوشاہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ لکھانے کی درخواست کی (ابوداؤد) کتاب الدیات۔ اور کیا حضرت ابوبکر خود اپنے عمال کو ہدایت نہیں لکھا دیتے تھے اور کیا آنحضرتؐ نے قرآن کے لکھنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ اور کیا حضرت عبداللہ

بن عمرو نے جب حدیثوں کے ضائع ہونے اور اپنے بھول جانے کی شکایت کی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں لکھنے کا حکم نہیں دیا۔ پھر کیا ابو بکرؓ ان تمام واقعات سے ناواقف تھے۔ یَا لَلْعَجَبُ۔

یہ سوال وجواب بجائے خود اس واقعہ کے بے اصل ہونے کے لئے قومی شہادت ہے۔ اور جو امر کہ عام اتفاق سے ثابت ہے۔ اور آفتاب سے زیادہ روشن ہے اس پر غُبار ڈالنا اور چُھپانا ناممکن ہے۔

(۵) خلیفۂ اول نے یہ قرآن اگر لکھایا ہوگا تو بیت المال کے روپے سے لکھایا ہوگا۔ کیونکہ خلافت سے چھ مہینے بعد خلیفہ کے مصارف کا متکفل بیت المال کیا گیا تھا اور بیت المال سے وہ اپنے ضروری مصارف خورد ونوش کے مطابق لیتے تھے۔ جیسا کہ خلیفۂ اول کے حالات میں مورخین لکھتے ہیں۔ اور نیز اس واقعہ سے بھی اس کا پورا ثبوت ملتا ہے کہ آپ کی بی بی نے ایک روز جب شیرینی کی فرمائش کی تو جواب دیا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ بی بی نے کہا۔ اجازت ہو تو روزمرہ کے صرف سے کچھ بچا کر جمع کرلوں۔ فرمایا بہتر۔ کچھ روز میں چند پیسے جمع کر کے دیئے۔ اور کہا مٹھائی لادو۔ خلیفہ نے پیسے لے کر فرمایا کہ یہ خرچ ضروری سے زیادہ ہیں لہٰذا بیت المال کے ہیں اور بیت المال میں جمع کرکے اپنے وظیفہ سے اسی قدر کم کردیا۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ کے پاس اپنا ذاتی سامان کیا تھا اور بیت المال میں انھیں کس قدر احتیاط تھی۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس قرآن کے مصارف بیت المال سے ادا کئے گئے ہوں گے۔ اور یہ قرآن چونکہ بیت المال کا حق تھا اسی لئے یہ ان کی وفات کے بعد خلیفۂ اول کے ورثا کو نہیں دیا گیا بلکہ بیت المال میں رہا۔ اور خلیفۂ دوم کے پاس پہنچا۔ اگر خلیفۂ اول کا اپنا ہوتا تو ضرور ان کے ورثا کو ملتا۔ لیکن یہاں دو باتیں اس واقعہ کو غلط ٹھیراتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ خلیفۂ اول نے بیت المال کی جو اشیاء چھوڑیں اور وہ خلیفۂ دوم کو سپرد کی گئیں۔ ان کی فہرست میں اس قرآن کا نام نہیں ہے اور خلیفۂ اول

نے جن چیزوں کے سپرد کرنے کو فرمایا تھا اس میں اس کا نام نہیں لیا۔ تاریخ الخلفاء میں ہے۔

قال ابو بکر لما احتضر لعائشة یا بنیة انا ولینا امر المسلمین فلم نأخذ لنا دینارا ولا درهما ولکن اکلنا من جریش طعامهم فی بطوننا ولبسنا من خشن ثیابهم علی ظهورنا وانه لم یبق لنا عندنا من فیء المسلمین قلیل ولا کثیر الا هذا العبد الحبشی وهذا البعیر الناضح وجرد هذه القطیفة فاذا مت فابعثی بهن الی عمر۔

ترجمہ:۔ حضرت ابو بکرؓ نے نزع کے وقت فرمایا کہ اے بیٹی میں خلیفہ بنایا گیا میں نے بیت المال سے روپیہ نہیں لیا مگر بقدر موٹا کھانے اور موٹا پہننے کے اور اب میرے پاس بیت المال کا سوا اس غلام حبشی اور پانی لانے کی اونٹنی اور اس پرانی چادر کے کچھ نہیں میرے مرنے پر اس کو عمر کے پاس بھیجدینا۔

اگر واقعی کوئی قرآن بیت المال کے صرف سے اس اہتمام سے لکھایا گیا تھا تو بیت المال کی فہرست میں اس کا نام ضروری ہوتا۔ اور خلیفۂ اول اس کے سپرد کرنے کو اہتمام سے فرماتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ خلیفۂ دوم کے بعد یہ قرآن خلیفہ سوم کی تحویل میں ہونا چاہیے تھا نہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس۔ کیونکہ یہ خلیفہ کی اپنی ذاتی ملک نہ تھی۔ اب بعید نہیں بلکہ یہ امر نہایت قریب تر ہے کہ احتمالات اور امکانات کے ورطہ میں غوطہ لگانے والے جدت آفرینی کی یوں داد دیں کہ یہ قرآن خلیفۂ اول کا ذاتی تھا۔ اپنے خاص روپے سے لکھایا تھا۔ اور خلیفۂ دوم کو آخر وقت میں انھوں نے ہبہ کر دیا تھا اور بیت المال کا نہ تھا تاکہ خلیفہ دوم کی وفات کے بعد خلیفہ سوم کی نگرانی میں پہنچتا۔ ان کی اس جدت اور نکتہ آفرینی کی میں بھی دل سے قدر کرنے کو اور داد دینے کو تیار ہوں۔ مگر وہ ہبہ نامہ جس کی رو سے یہ ہبہ ثابت کیا جائے اگر کسی سند میں دکھائیں اور خلیفہ اول کی آمدنی میں اس قدر قوت اور زور دکھائیں جو اس بار کی متحمل ہو سکے تو البتہ قابلِ تسلیم ہے اور بلا اس کے

یہ خیال آفرینی واقعیت کی سطح پر رونما نہیں ہوسکتی بلکہ تاریخ سے تو یہ ثابت ہے کہ نہ خلیفہ اول کے پاس اپنا ذاتی اس قدر مال تھا جس سے قرآن لکھاتے اور بیت المال سے اپنے مصارف کے لئے جو کچھ وہ لیتے تھے اس میں نہ اس کی گنجائش تھی۔ الغرض اس قرآن کے لکھانے کی دو ہی صورت ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس صحیفہ وغیرہ کی قیمت خلیفۂ اول اپنے پاس سے صرف کریں۔ دوسرے یہ کہ بیت المال سے دیں۔ اور واقعات ان دونوں صورتوں کے مخالف ہیں۔

(۵) اس روایت میں یہ کہنا کہ سورہ براۃ کا آخر ابوخزیمہ انصاری کے سوا کسی دوسرے کے پاس نہ تھا ایک ایسی پہیلی اور چیستان ہے جس کی گرہ کشائی ناممکن ہے۔ پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ سورہ براءۃ پوری ایک وقت میں کامل آخر زمانہ میں نازل ہوئی۔ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع میں پڑھا۔ حضرت علیؓ نے نویں سال حج میں تین مقامات میں یعنی عرفہ منیٰ یا مکہ میں لوگوں کو تمام وکمال سنایا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے یاد کرنے کا خاص حکم دیا زید کو تمام قرآن یاد تھا اور لکھا ہوا تھا۔ ابی بن کعب کے پاس بھی تمام قرآن لکھا ہوا اور یاد تھا۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہ کو سورۂ براۃ یاد تھی۔ چنانچہ انھوں نے مکہ میں جا کر سنائی اور زید کے قرآن لکھنے کے وقت یہ لوگ مدینہ میں موجود تھے۔ پھر اب زید کا یہ کہنا کہ ابوخزیمہ کے سوا کسی کے پاس یہ آیت نہ تھی وہ بات ہے جس کے ماننے کے لئے کسی طرح کوئی مسلمان تیار نہیں ہوسکتا۔

الحاصل زہری کے اس روایت میں چھ امر تو ایسے ہیں جو واقعات کی رو سے سچائی کے معیار میں صحیح نہیں اترتے اور وہ بالکل غلط ہیں۔

(۱) جنگ یمامہ میں بہت سے قرآن کے قاری شہید ہوئے۔

(۲) زید نے آنحضرتؐ کی حیات میں قرآن جمع نہیں کیا تھا۔

(۳) زید پورے قرآن کے حافظ نہ تھے۔

(۴) آنحضرتؐ نے پورا قرآن جمع نہیں کرایا تھا۔